حرفِ آخر

Harf-e-Akhir

غزلوں کا مجموعہ

ڈاکٹر علیم عثمانی



Dr. Aleem Usmani(1931-2012)

Internet Edition 2017 by Yasir Jamal Usmani

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آخر

غزلوں کا مجموعہ

ڈاکٹر علیم عثمانی

مرتب۔ اختر جمال عثمانی

Internet Edition 2017 by Yasir Jamal Usmani

تفصیلات

نام کتاب : حرفِ آخر

مصنف : ڈاکٹر علیم عثمانی

مرتب و ناشر : اختر جمال عثمانی 9450191754 91+

مکمل پتہ : A 1270 رفیع نگر دیوہ روڈ بارہ بنکی

تعداد : 1000

صفحات : 152

قیمت : -/200

سنِ اشاعت : 2017

کتابت : سراج الدین 9451760611

سرورق : یاسر جمال عثمانی

ملنے کا پتہ

دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

انتساب

انکے نام
جنہوں نے گوشۂ گمنامی میں رہ کر
ادب کی آبیاری میں
عمریں گذار دیں۔

فہرست

مختصر حالاتِ زندگی و شاعری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر علیمؔ عثمانی



ڈاکٹر نذیر احمد ندوی

شعبۂ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی

یادش بخیر!

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم عثمانی جو ادبی و شعری دنیا میں علیم عثمانی کے نام سے مشہور تھے، نہ صرف طبیب حاذق، کامیاب ہومیوپیتھ معالج، بلکہ معروف و مقبول کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کی شخصیت باغ و بہار، طبیعت مرنجان مرنج، آواز سامعہ نواز اور انداز دلنواز تھا۔ بارگاہ ایزدی سے اگرانھیں ایک طرف جمال ظاہر سے سرفراز کیا گیا تھا تو دوسری طرف دست

قدرت نے انھیں بڑی فیاضی سے حسن باطن سے نوازا تھا،اس طرح وہ حسنِ صوت وصورت اور خوبیٔ سیرت سے مالا مال تھے۔

ان کی طبیعت میں بلا کی موزونیت تھی ،اس لئے شعروشاعری سے انھیں فطری مناسبت اور قلبی لگاؤ تھا،کم عمری اور زمانہ طالب علمی ہی سے انہوں نے شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھ دیا تھا اور گیسوئے سخن کو سنوارنا شروع کر دیا تھا۔اس طرح وہ آغاز شباب ہی سے اہل سخن سے دادِ تحسین حاصل کرنے لگے تھے۔

موصوف اپنے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مجھے اوائل عمری سے شعر سننے ،شعر پڑھنے اور شعر کہنے کا شوق رہا اور میں اپنے اشعار اپنے کرم فرماؤں اور مخلصوں کے درمیان سناتا رہا۔لوگ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے''۔

شعروشاعری نے انھیں آدابِ شاعری سکھائے تھے اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ایک ''استاذ شاعر'' ہونے کے باوجود انہوں نے شعروشاعری میں کسی استاذ سے اصلاح نہیں لی۔

ان کی شاعری میں تجدد اور تنوع تھا، ہر صنف سخن میں انہوں نے طبع آزمائی کی ۔روایتی غزل گوئی میں فرد و طاق ہونے کے ساتھ نعت گوئی میں بڑے ماہر و مشاق تھے۔

ان کی شاعری میں غم دوراں و غم جاناں کا حسین امتزاج ہے۔ جناب محمد اصغر صاحب عثمانی نے بزم عزیز کے تعزیتی جلسہ کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں ان کی غزلیہ شاعری کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔''مرحوم نے روایتی غزل میں تغزل کا بھرپور استعمال کیا، وہ غزل جو میرؔ و غالبؔ سے ہوتے ہوئے جگرؔ اور خمارؔ تک پہنچی اس کو امانت کی طرح آخری دم تک سنبھالے رہے''۔

ڈاکٹر صاحب اپنے کلام کی پختگی ،مضامین کی آمد اور اسلوب کی سلاست کی بدولت ہر بزم میں ''مرکزِ توجہ'' بن جاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اپنے ہم عصر مشہور شعراء سے گہرے مراسم تھے۔ جو نہ صرف ان کی شعری محاسن کے معترف بلکہ ان کے فنی کمالات کے مدّاح بھی رہے ہیں۔ جانشین حضرت اقفرؔ موہانی جناب عزیزؔ بارہ بنکوی ان کی شاعری کو ان الفاظ میں دادِ تحسین دیتے ہیں۔'' ان کی مشقِ سخن کافی ہے ،اشعار تمام نقائص سے پاک وصاف ہوتے ہیں''۔ نیز ان کی شعر نوازی اور شعراء پروری کو یوں سندِ توصیف عطا کرتے ہیں:۔

''ان کی وجہ سے مجھے بڑی تقویت حاصل ہے،قرب وجوار میں اپنی محنت سے شاعری کو زندہ کیئے ہوئے ہیں۔''

اگر انہوں نے اپنی نظمیں ،نعتیں اور غزلیں محفوظ رکھنے کی جانب توجہ کی ہوتی تو اب تک ان کے کئی شعری مجموعے تیار ہو چکے ہوتے۔

ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ ''دیوار'' ۱۹۹۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مقبولِ اہلِ نظر ہو چکا ہے۔جلد ہی غزلوں کے دو مجموعے اور نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ تیار ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ''بزمِ بہارِ سخن'' کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی تھی جس سے اودھ کے لکھنؤ و بارہ بنکی اضلاع اور ان کے اطراف سے تعلق رکھنے والے نامور شعراء وابستہ تھے جس کی ماہانہ نشستوں میں جس طرح کہنہ مشق شعراء اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے تھے ،اُسی طرح نوآموز شعراء ان کی رہنمائی و سرپرستی میں مشقِ سخن کیا کرتے تھے،اس طرح نہ جانے کتنے تازہ واردانِ بساطِ سخن ان کی اصلاح و تصحیح نیز تشجیع و تحریک سے سخنورانِ غزل اور شہنشاہانِ اقلیمِ سخن بن گئے۔

جناب علیم عثمانی کی پیدائش قصبہ کرسی ضلع بارہ بنکی یوپی میں مورخہ ۸/نومبر 1931 کو ہوئی ان کے والد ماجد جناب محمد نسیم صاحب اپنے زمانہ کے ایک نامور حکیم تھے جن کی شفقت پدری کا سایہ ان کے سر سے صرف 4 سال ہی کی عمر میں اٹھ گیا تھا، انھوں نے مادرِ مشفق ہی کی آغوش محبت میں تعلیم وتربیت پائی، ان ہی کی خدمت اور راحت رسانی کی خاطر وہ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے اور ملازمت کی غرض سے کبھی قصبۂ کرسی سے باہر نہیں نکلے۔ ماں کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نورِ نظر اور لختِ جگر کو شہرت ومقبولیت کے بام عروج پر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر صاحب کی ذات مرجع خلائق تھی۔ لوگ دور دراز مقامات سے طبی مشورے کے علاوہ دیگر دینی، علمی اور ادبی امور میں تبادلہ خیال کے لئے ان سے رابطہ کرتے تھے اور وہ ان کی اپنے طویل تجربات، وسیع مشاہدات ومطالعات کی روشنی میں رہنمائی کیا کرتے تھے۔

ایک کہنہ مشق شاعر، بلند پایہ ادیب اور باکمال سخن شناس ہونے کے ساتھ وہ نہایت شگفتہ مزاج، بذلہ سنج، ذہین وطبّاع نیز حاضر دماغ وحاضر جواب تھے۔ڈاکٹر صاحب اپنی خوش اخلاقی، خندہ جبینی اور کشادہ روئی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے، اس لئے ہر مجلس میں جانِ محفل بنے رہتے تھے، انکی مجلسیں بڑی پر لطف اور امن وسکون سے معمور رہا کرتی تھیں۔

اگر ایک طرف ان کی ظرافت اور طنز ومزاح سے محفلیں قہقہہ زار بن جاتی تھیں تو دوسری طرف ان کی آنکھیں یادالٰہی میں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ بڑے ذاکر وشاغل اور پابندِ معمولات تھے، ان کی زندگی ذوق عبادت، فکر آخرت اور اندیشۂ عاقبت سے عبارت تھی۔

صبر وتوکل اور قناعت واستغناء ان کا وطیرہ نیز تواضع وسادگی ان کا طرۂ امتیاز تھا ۔شاعری میں بے حد مقبولیت اور میڈیکل پریکٹس میں بے پناہ کامیابی کے باوجود انہوں نے آمدنی میں اضافہ کے امکانات پر توجہ نہیں دی۔

ان کی زندگی جہد مسلسل، عمل پیہم ، یقین محکم کی آئینہ دار تھی۔ جہادِ زندگانی میں انہوں نے انہی شمشیروں سے کام لیا تھا ،حیات مستعار کے آخری چند ماہ بعض عوارض وامراض کی نذر ہوئے جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے، بالآخر ان کا آفتاب زندگی مورخہ 10 مئی 2012 بروز پنج شنبہ بوقت سہ پہر غروب ہو گیا اور فضل وکمال کا یہ مجموعہ پیوند خاک ہو گیا ..



☆ زحمتِ یک لمحہ

محترم قارئین کرام۔ میرا پہلا شعری مجموعہ دیوار آپکے سامنے ہے۔ آپ اطمینان رکھیں میں آپ کو نہ تو اپنی سوانح حیات سنا کر بور کرونگا اور نہ اپنی ذاتی زندگی کے سرد و گرم کی تشریحات میں آپکا وقت برباد کرونگا۔ مجھے مختصر الفاظ میں صرف دو ایک باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں وہ یہ کہ مجھے اوائل عمری سے شعر پڑھنے اور شعر کہنے کا شوق رہا اور میں اپنے اشعار اپنے کرمفرماؤں اور مخلصوں کے درمیان سناتا رہا۔ لوگ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ لیکن میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی یہ تمنا نہیں کی کہ میرا اشمار باقاعدہ صفِ شعراء میں ہو۔ یا میں اپنی شاعری کو درجہء کمال تک پہنچا کر اپنے فن کا لوہا اہل ذوق سے منواؤں ۔ میرے بعض انتہائی مخلص احباب جو آج اس دنیا میں نہیں ہیں مثلاً جنابِ حیات وارثی، جناب صائم سیدن پوری، جناب کشفی لکھنوی، جناب بادل سلطان پوری، جناب چودھری رضی عثمانی دیوہ شریف اور جناب عنبر شاہ وارثی کراچی پاکستان وغیرہ کی دلی خواہش رہی کہ میرا مجموعۂ کلام شائع ہو۔ اور اپنے موجودہ مخلصوں مثلاً جناب حفیظ سلمانی، جناب اختر موہانی، جناب ہنومان پرشاد عاجز ماتوی، جناب مولانا نذیر احمد ندوی، جناب حسن مہدی رضوی ایڈوکیٹ اور جناب نذرالدین پردھان قصبہ کرسی وغیرہ وغیرہ کے محبت بھرے تقاضوں سے مجبور ہونے کے بعد اِس مجموعہ کی اشاعت میرے

لئے ناگزیر ہوگئی۔

چونکہ باقاعدہ شاعر بننے کا میرا کوئی پروگرام نہیں تھا اس لئے میں نے کسی بزرگ سے کبھی شرف تلمّذ بھی حاصل نہیں کیا۔ میرے اس مجموعہ میں ان سرکردہ اور نامور شخصیتوں کی کوئی تقریظ شامل نہیں ہے جن کی تحریروں سے معمولی شعری مجموعوں کا معیار بلند ہوجایا کرتا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب وتدوین واشاعت کے سلسلے میں جن لوگوں نے میری مدد کی وہ جناب قمر ٹکیٹ گنجوی، جنابِ اظفر سلطان پوری، جناب مولانا نذیر احمد ندوی اور بالخصوص جناب عاجز ماتوی ہیں جنکا نیز تمام اہل محبت کا شکر گذار ہوں۔

اب میرا یہ مجموعۂ کلام قارئین کی میزانِ نظر پر ہے۔ اگر کسی کو میرا کوئی ایک شعر بھی پسند آجائے تو یہ میری کامیابی کا ثبوت ہوگا۔

خاک پائے اہل سخن
(ڈاکٹر) علیم عثمانی
بارگاہِ فن۔ کرسی۔ بارہ بنکی
17 اکتوبر 1995

☆ صاحب کلام کا یہ وہ پیش لفظ ہے جو انہوں نے **زحمت یک لمحہ** کے عنوان سے **دیوار** نامی اپنے پہلے مجموعہ کلام مطبوعہ 1995 کے لئے تحریر کیا تھا۔

عرض مرتب

زیرِ نظر مجموعۂ کلام ''حرفِ آخر'' والد گرامی مرحوم ڈاکٹر علیم عثمانی کی ان غزلوں پر مشتمل ہے جو ان کے انتقال کے بعد مختلف کاغذات، کتابوں اور بیاضوں میں دستیاب ہوئیں، اسی طرح اس مجموعۂ کلام میں وہ غزلیں بھی شامل ہیں جو پہلے دیوان ''دیوار'' کی اشاعت کے دوران یا اس کے بعد معرضِ وجود میں آئیں۔ جب کہ اس کی تقریباً پچاس ۵۰ غزلیں ان کے شاگرد عزیز جناب احمد کھیولوی صاحب نے فراہم کی ہیں جن کو انھوں مختلف شعری نشستوں اور متعدد مشاعروں میں والد صاحب سے سن کر ازراہ عقیدت محفوظ کر لیا تھا۔ اس مجموعہ میں انکی وہ آخری غزل بھی شامل ہے جو انھوں نے بحالتِ علالت بارہ بنکی کے مشاعرہ میں یہ کہتے ہوئے سنائی کہ پوری ناتوانی کے ساتھ تحت میں پڑھ رہا ہوں۔ اس دستیاب کلام کو آخری مجموعہ کی شکل میں باذوق قارئین اور والد صاحب کے کلام کے شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نیاز مند اختر جمال عثمانی

غزل

ملا ہے جو محبت میں حفاظت سے وہ غم رکھیو
ہنسی آئے تو ہنسیو خیر لیکن آنکھ نم رکھیو

محبت کیجیو لیکن محبت کا بھرم رکھیو
ہماری مانیو تو ان سے رسم و راہ کم رکھیو

بنا الجھن کے کیسے زندگی لوگوں کی گذرے گی
لہٰذا آپ یونہی گیسوؤں کے پیچ و خم رکھیو

شہیدان ستم پر ہم کو اکثر رشک ہوتا ہے
ہماری بھی رگ جاں پر ذرا تیغ ستم رکھیو

بہت سے ہیں جو منزل پر نہ پہونچے اور نہ گھر لوٹے
یہ راہ عاشقی ہے پھونک کر اس میں قدم رکھیو

پرائے ہاتھ لکھیں گے تو جو چاہیں گے لکھیں گے
اگر تقدیر اچھی چاہیو لوح و قلم رکھیو

علیم اس سلسلے میں تم کو کتنے رنج پہونچے ہیں
کہاں تک بے وفاؤں سے تم امید کرم رکھیو

غزل

کم ہیں کچھ دن سے خدا کی رحمتیں میری طرف
گھورتی ہیں مل کے ساری جنتیں میری طرف

جب نقاب اس نے اٹھادی جھک گئی میری نظر
بدعتیں اس کی طرف ہیں سنتیں میری طرف

عین ممکن ہے جنوں کا تاج میرے سر پر ہو
دست بستہ آرہی ہیں وحشتیں میری طرف

فرقتوں نے جب مری گردن میں باہیں ڈال دیں
مڑ کے اب دیکھیں نہ شائد قربتیں میری طرف

اس سے ملنے میں تھا میری نیک نامی کا سوال
دھیرے دھیرے آرہی ہیں تہمتیں میری طرف

میں نے اپنے نفس کی جب خوب کی بے حرمتی
بہر استقبال آئیں عزتیں میری طرف

حجرہ تنہائی میں جب سے ہے میرا اعتکاف
طنز کرتی ہیں پرانی خلوتیں میری طرف

شہر والو تم نہ جانے کس قدر مصروف ہو
ماری ماری پھر رہی ہیں فرصتیں میری طرف

پھول جیسی جب غزل میں نے سنادی اے علیم
ہوگئیں سب چاند جیسی صورتیں میری طرف




غزل

تم کسی روز زحمت کرو
میرے گھر کو بھی جنت کرو

کوئی دن میرے آنگن میں بھی
منعقد جشن قربت کرو

اب تو اس نے اٹھادی نقاب
اب تو تعریف قدرت کرو

چاند کی چودھویں رات ہے
آج کوئی کرامت کرو

مستحق سب محبت کے ہیں
کس سے کس سے محبت کرو

پہلے بن جاؤ شیریں زباں
پھر دلوں پر حکومت کرو

آئینہ ہے مرے ہاتھ میں
آؤ اپنی زیارت کرو

آ گئے اس کے ماتھے پہ بل
اپنی اپنی حفاظت کرو

عمر بھر شاعری کی علیم
اب تو کچھ دن عبادت کرو





غزل

بات دونوں جو کہیں وہ ذمہ دارانہ کہیں
تم ہمیں دشمن کہو ہم تم کو جانانہ کہیں

جیٹھ کی دھوپوں میں ہم ساون کا افسانہ کہیں
جو ہمیں دیوانہ کہتے ہیں وہ دیوانہ کہیں

حشر کی تشبیہہ تو میری سمجھ سے ہے غلط
کیوں نہ اس کی چال کو ہم رقص پیمانہ کہیں

آپ کی ہم کفر سامانی کے ہیں قائل مگر
سوچئے کس دل سے ہم مسجد کو بت خانہ کہیں

خیریت ہنس کر جو اسنے مجھ سے اک دن پوچھ لی
صرف اتنی بات پر سب لوگ یارانہ کہیں

کتنا اچھا ہو جو سوز دونوں مل کر بانٹ لیں
شمع ہم ان کو کہیں وہ ہم کو پروانہ کہیں

اسنے کیوں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا مزاج
ہم تو اس طرزِ عمل کو دردمندانہ کہیں

آپ نے اللہ جانے کون جادو کردیا
اب تو ہم اپنے عزیزوں کو بھی بیگانہ کہیں

ان کے جلوؤں سے منوّر ہے جب اپنا گھر علیمؔ
کیوں نہ ہم اپنی گلی کو کوئے جانانہ کہیں





غزل

غزل میں جتنی بھی تعریف ہے اسی کی ہے
غزل ہے یا کہ کہانی کسی پری کی ہے

یہ بھول ہم نے یقیناً بہت بڑی کی ہے
بسر جوزہرہ جبینوں میں زندگی کی ہے

جہاں پہ میں نے بیاں اپنی تشنگی کی ہے
اسی جگہ پہ سمندر نے خودکشی کی ہے

ابھی تو تم کو تڑپنے کا تجربہ ہی نہیں
ابھی توتم نے محبت نئی نئی کی ہے

اسی زمین کے اک چاند سے میں واقف ہوں
کہ جس نے دن میں کئی بار چاندنی کی ہے

ہمیں سکھادیا جلوؤں کا دیکھنا ہے گناہ
ہمارے ساتھ بزرگوں نے دل لگی کی ہے

تمہارے عشق میں ہیں بے شمار دیوانے
کمی ہے جو وہ فقط ذوقِ آگہی کی ہے

پیام شوق کا یہ سلسلہ بہت ہے قدیم
کبوتروں نے جو صدیوں پیمبری کی ہے

ہے میرے پیار کے آگے ستمگری عاجز
عذاب موم نے پتھر کی زندگی کی ہے

کوئی دریچہ بھی اس میں ضرور رکھئے گا
دلوں کے بیچ میں دیوار گر کھڑی کی ہے

چمک رہا ہے علیم اس کی یاد کا سورج
اسی سے ہم نے منور یہ زندگی کی ہے



غزل

تیرِ نگاہ بھول کے جس کو لگا نہ ہو
زخموں پہ زخم کھائے مگر وہ مزا نہ ہو

اس کی خوشی کا کیا ہے کہیں پھر خفا نہ ہو
جو زخم بھر چکا ہے کہیں پھر ہرا نہ ہو

ہے اپنا دور اصل میں بدخواہیوں کا دور
مر جائیں کتنے لوگ اگر حادثہ نہ ہو

ترک تعلقات کے قائل نہیں ہیں ہم
گر اختلاف بھی ہو تو باقاعدہ نہ ہو

یارب مری انا سے تو واقف ہے خوب خوب
تیرا کرم جو مجھ پہ ہو بالواسطہ نہ ہو

تم بے وفا کہو گے اسے یا کہ باوفا
جو تم کو چاہتا ہو مگر پوجتا نہ ہو

اس دور کی نہ پوچھو جرائم نوازیاں
ثابت ہزار جرم ہوں پھر بھی سزا نہ ہو

اس سے نظر ملا کے بڑھیں اتنی مستیاں
سو بوتلوں کے بعد بھی اتنا نشہ نہ ہو

اتنی تو اس جہاں کی بڑھیں سختیاں علیم
اب شاعروں سے حق بھی غزل کا ادا نہ ہو





غزل

اُٹھ گئے کھول کے دل اپنا دکھانے والے
رہ گئے صرف پہیلی کے بجھانے والے

کیوں تکلف ہے تجھے تیر چلانے والے
ہم بہت دن سے نشانے پہ تھے آنے والے

خون کا تم پہ نہ رکھ دے یہ زمانہ الزام
مہندیاں پھول سے ہاتھوں میں رچانے والے

کل دریچے کی ضرورت تجھے پڑسکتی ہے
گھر کے آنگن میں اے دیوار اٹھانے والے

اپنی یہ مشقِ ستم تونے اگر بند نہ کی
کل نہیں ہوں گے ترے ناز اٹھانے والے

ظلمت شب ترے گھر کیا نہ کبھی آئیگی
در پہ خورشید کی تصویر بنانے والے

حوصلہ ہو تو زباں میری قلم تو کردے
میری گفتار پہ اے قفل لگانے والے

خوبیاں اس کی گنیں ہم کو کہاں ہے فرصت
ہم تو ہیں اصل میں الزام لگانے والے

ہم تو لکھیں گے یونہی پھول سی غزلیں اے علیم
ہم قلم کو نہیں تلوار بنانے والے





غزل

اک بات یاد تجھ کو اے عمر رواں رہے
جوزندہ دل رہے وہ ہمیشہ جواں رہے

واقف ہیں ہم بھی کفر کی نبضوں سے خوب خوب
ہم خود تمام عمر مسلماں کہاں رہے

پڑھتے رہے وہی غم دوراں کے مرثئے
جو نا شناس زم زمہء سوز جاں رہے

جلتے ہیں روز آتشِ نمرود میں خلیل
جوصاحب یقیں تھے وہ بندے کہاں رہے

تاریک بستیوں کی نہ قسمت چمک سکی
شمعیں وہیں جلی ہیں اجالے جہاں رہے

اندر سے کون درد انھوں نے نہیں دیا
باہر سے دیکھنے میں جو آرام جاں رہے

مجبور ہم تو اپنی محبت سے ہیں ہمیں
کیسے نہ فکر خیریت دشمناں رہے

اللہ رے علیم تغزل کی برکتیں
ہم جب رہے انجمنِ دلبراں رہے





غزل

ہم بند کبھی مشغلہ غم نہ کریں گے
ہم ترک کبھی سنّتِ آدم نہ کریں گے

بھڑکے گی وہ اب آگ کہ مرجائیں گے دونوں
لو دل کے چراغوں کی اگر کم نہ کریں گے

الجھن کی کوئی بات نہ پھر شہر میں ہوگی
اِمسال اگر زلف وہ برہم نہ کریں گے

ہم زخم محبت کے مزے جان گئے ہیں
ہم خواب میں بھی خواہش مرہم نہ کریں گے

ذی فہم وہ ہیں شکر کے لہجے سے سمجھ لیں
ہم ان سے کبھی تذکرۂ غم نہ کریں گے

غیروں سے شکایت ہی نہیں مقصد ہستی
کیا ہم کبھی اپنوں کو منظّم نہ کریں گے

افسردہ لبوں کو میں سکھاتا ہوں تبسم
محسوس کبھی لوگ مراغم نہ کریں گے

اک اک کو مرے سارے مسائل کا پتہ ہے
لگتا ہے کہ اب کچھ مرے ہم دم نہ کریں گے

درپیش ہمیں اور فرائض بھی ہیں جاناں
ہم تیری محبت کو مقدّم نہ کریں گے

آنسوں ہیں علیمؔ اصل میں توہین مجاہد
ہم بھول کے دامن کو کبھی نم نہ کریں گے





غزل

یوں ہی تشنہ لب روز مرتے رہیں گے
سمندر لئے لوگ بیٹھے رہیں گے

غمِ دل پہ خوشیوں کے پردے رہیں گے
شگفتہ شگفتہ جو چہرے رہیں گے

حسینوں کے جب ترش لہجے رہیں گے
تو کیا خوش محبت کے بندے رہیں گے

جو ہم چھوڑ دیں میکدے آنا جانا
تو کیا میکدے میں فرشتے رہیں گے

جو ہیں حق پرستی کے شیدائیوں میں
وہ سولی پہ چڑھ کر بھی ہنستے رہیں گے

سمجھ جائے گا رام کی کون خوشیاں
اگر بیر صبری کے جھوٹے رہیں گے

کبھی صبر کا نام لے گا نہ کوئی
اگر صبر کے پھل نہ میٹھے رہیں گے

چلو ہم تمہاری تسلی کی خاطر
محبت ہتھیلی پہ رکھے رہیں گے

علیم ایسے اشعار لکھے ہیں تو نے
ترے معتقد ماہ پارے رہیں گے





غزل

مہرباں ہم پہ پھر سے وہ کیا ہوگئے
ہم تو آفت میں پھر مبتلا ہوگئے

جب حقوق محبت ادا ہوگئے
عقل والے تھے دونوں جدا ہوگئے

بے وفا خیر ہم روز اول سے ہیں
ان کو کیا ہوگیا بے وفا ہوگئے

کیوں سکھائیں انہیں تیر اندازیاں
ہم خود اپنے لئے حادثہ ہوگئے

ان کو قندیل محفل بنانے کے بعد
ہم تو پھر جھوپڑی کا دیا ہوگئے

ان کی دزدیدہ نظریں مبارک انہیں
ہم پریشان بے انتہا ہوگئے

ہم نے ہی باب کعبہ دکھایا انہیں
ہم تو بندے رہے وہ خدا ہو گئے

جسم گلدستہء زخم ایسا بنا
ہم تو بالکل تمہاری قبا ہو گئے

قبر کے اب نشاں تک بھی باقی نہیں
اب تو آجاؤ ہم راستہ ہو گئے

مشکلیں پیش آئیں گی مشکل سے اب
اب تو افراط مشکل کشا ہو گئے

ہم چلے تھے رہ فن میں تنہا علیم
دھیرے دھیرے ہمیں قافلہ ہو گئے





غزل

وہ عرض غم پہ مشورۂ اختصار دے
کوزے میں کیسے کوئی سمندر اتار دے

دنیا ہو آخرت ہو وہ سب کو سنوار دے
توفیقِ عشق جس کو بھی پروردگار دے

پھر دعوتِ کرم نگہہِ شعلہ بار دے
اللہ مستقل مجھے صبرو قرار دے

جس پھول کا بھی دیکھئے دامن ہے تارتار
کتنا بڑا سبق ہمیں فصل بہار دے

دردِ جگر شکستہ دلی بیقراریاں
کیا کیا نہ لطف مجھ کو ترا انتظار دے

واعظ اسے بتاؤ نہ جنت کے تم مزے
خلد بریں کا لطف جسے کوئے یار دے

کنگن ادھر کلائی میں گھوما تو یوں لگا
آواز مجھ کو گردشِ لیل و نہار دے

چہرے پہ وہ سجائے ہے معصومیت کا نور
اب کون اس کو زحمت بوس و کنار دے

میں ہوں شہید راہ محبت مگر علیم
میرا غلط پتہ مری لوح مزار دے





غزل

یہ اضطراب کی چادر بدلنا چاہیۓ تھا
مجھے طلسم طلب سے نکلنا چاہیۓ تھا

ہم آسمان کو چھونے کی فکر میں کیوں ہیں
ہمیں زمیں پہ سلیقے سے چلنا چاہیۓ تھا

اسی زمین کی زرخیزیاں ہوئیں پامال
وہ جس زمین کو سونا اگلنا چاہیۓ تھا

اٹھا رہے ہیں سبھی تجھ پہ انگلیاں اب تو
ترے غرور کے سورج کو ڈھلنا چاہیۓ تھا

ہم ایڑیاں نہ رگڑ پاۓ ٹھیک سے ورنہ
وطن کی ریت سے پانی نکلنا چاہیۓ تھا

ستم تو ٹوٹ کے برسے ہیں خوب اب کے برس
اے صبر تیرے درختوں کو پھلنا چاہیئے تھا

وہ اپنی سنگدلی سے تو خیر تھا مجبور
اگر میں موم تھا مجھ کو پگھلنا چاہیئے تھا

وہ ساری عمر مجھے خط نہ بھیجتے لیکن
کبوتروں کے نہ یوں پر کترنا چاہیئے تھا

ہے سارے شہر میں نفرت کی تیرگی اے علیم
کوئی چراغِ محبت تو جلنا چاہیئے تھا





غزل

ہر شخص کی تجھ پر ہے نظر رشک قمر دیکھ
دزدیدہ نگاہوں سے نہ للہ ادھر دیکھ

جس سمت ترا دل کہے منظور نظر دیکھ
میں تجھ سے یہ ہرگز نہ کہوں گا کہ ادھر دیکھ

اس تیرگئی شب میں ذرا بھی نہیں ڈر دیکھ
کس شان سے لپٹی ہے اندھیرے میں سحر دیکھ

جو پھول ہے وہ آگ لگانے پہ تلا ہے
اب روز گلستاں میں یہی رقص شرر دیکھ

دنیا کے مسائل ہیں ابھی اپنے جہاں میں
کیا کوئی ضروری ہے ستاروں کے اُدھر دیکھ

یہ دن مرے آرام سے سو جانے کے دن ہیں
اب میری شبِ غم تو کسی اور کا گھر دیکھ

پاکیزہ نگاہوں پہ کوئی قید نہیں ہے
پاکیزہ نگاہیں ہوں تو پھر چاہے جدھر دیکھ

فردوس کے دیدار میں لگ جائیں کے برسوں
فی الحال مری رائے ہے محبوب کا در دیکھ

کل ہی تجھے جانا ہے علیمؔ اپنے سفر پر
کچھ کم تو نہی ہے ذرا سامان سفر دیکھ





غزل

نقاب اس شوخ نے جب چہرۂ تاباں سے سرکائی
ہمیں باقاعدہ اللہ کی قدرت نظر آئی

یہاں برسوں سے رسمی طور پر چلتی ہے پروائی
نہ اس کی زلف لہرائی نہ ساون کی گھٹا چھائی

جمالِ یار کے بارے میں ہم لکھیں تو کیا لکھیں
ہمیں جب اپنی صورت خود نہیں اب تک نظر آئی

وہی پیاسے ہیں جتنے غیر وابستہ ہیں ساون سے
بحمداللہ ہم نے خوب پی اور خوب چھلکائی

نمازِ عشق ہم بھی خود غلط پڑھتے تھے لیکن پھر
درِ وارثؒ سے سیکھے ہم نے آدابِ جبیں سائی

شکایت اور غلط فہمی کے بادل چھٹ گئے جب سے
اسے بھی خوب نیند آئی ہمیں بھی خوب نیند آئی

قیامت سے علیمؔ اکثر ڈراتے ہیں مجھے واعظ
قیامت خود مرے آنگن میں کتنی مرتبہ آئی

غزل

ہم نے اب تک جو تم کو کہا کچھ نہیں
تم سمجھتے ہو ہم کو پتہ کچھ نہیں

دوریوں کا مزا کیا مزا کچھ نہیں
اصل میں فاصلہ واصلہ کچھ نہیں

مدتیں ہوگئیں ان پہ شیداں ہیں ہم
ہم کو اب دیکھنا بھالنا کچھ نہیں

وہ جو اپنی جگہ بے وفا ہے تو ہو
اب ہمیں ناپنا تولنا کچھ نہیں

اس کی آنکھوں میں ہم ڈھونڈ ھتے ہیں حیا
جس کے نزدیک سر کی ردا کچھ نہیں

صبر کے پھل کو میٹھا بتاتے ہیں سب
صبر کے پھل میں اب تو مزا کچھ نہیں

جانے کیوں اختلافات بڑھتے گئے
سچ اگر پوچھئے مسئلہ کچھ نہیں

جس میں شاداں ہیں وہ اس میں شاداں ہوں میں
میری اپنی اکیلی رضا کچھ نہیں

جس نے توڑے سدا بے کسوں پر ستم
اس کو ہم دیکھتے ہیں ہوا کچھ نہیں

راہِ الفت میں ہم ایسا ایسا لٹے
اک انا کے علاوہ بچا کچھ نہیں

وقتِ آخر معاف اس کو کردو علیم
کیا یہ آنچل کی ٹھنڈی ہوا کچھ نہیں

غزل

تمہارا ظلم پیشِ دیگراں آیا تو کیا ہوگا
سڑک پر میں جو بن کر گلستاں آیا تو کیا ہوگا

نہ اتنا ناز کر اے راہبر منزل شناسی پر
بھٹکنے کی جو ضد پر کارواں آیا تو کیا ہوگا

حریمِ ناز میں جاتے ہوئے اک فکر سے مجھ کو
پلٹ کر میں کہیں جو شادماں آیا تو کیا ہوگا

بہت نسخے ہیں مرہم کے سیاست کی بیاضوں میں
سوالِ اندمالِ زخمِ جاں آیا تو کیا ہوگا

لپکتی ہے تجلی روح میں جس کے تصور سے
نظر کے سامنے وہ آستاں آیا تو کیا ہوگا

غلط فہمی کی ندی دن بدن چڑھتی ہی جاتی ہے
اگر بالفعل خطرے کا نشاں آیا تو کیا ہوگا

غضب کرتے ہو دیواروں کو سینے سے لگاتے ہو
اگر کل ان کو اندازِ بیاں آیا تو کیا ہوگا

میرے احباب سوکھی کھیتیوں پر شعر لکھتے ہیں
اگر موضوعِ رخسارِ بتاں آیا تو کیا ہوگا

بھری برسات کچا گھر نہ شیشہ ہے نہ پیمانہ
علیم ایسے میں وہ میرے یہاں آیا تو کیا ہوگا





غزل

ایک جیسی ہی دونوں کی تقدیر ہے
میں بھی پنجاب ہوں وہ بھی کشمیر ہے

میں سمجھتا ہوں خود اس کی مجبوریاں
اس کے پیروں میں سونے کی زنجیر ہے

مان سکتا ہے یہ بات کیسے کوئی
ریت کے گھر کی مضبوط تعمیر ہے

اس تکلم کی تکلیف بتلاؤں کیا
کتنا جلتا ہوا لفظ کا تیر ہے

کون سمجھے گا اب غم کی سچائیاں
غمزدوں کی بھی رنگین تصویر ہے

اس کے سارے گناہوں سے واقف ہوں میں
جس کے رخ پر تقدس کی تنویر ہے

مجھ کو احساں کسی کا بھی لینا نہیں
میری مٹھی میں خود میری تصویر ہے

چھین لی شاعروں نے ردائے غزل
کیسی ناقدریٔ سنتِ میرؔ ہے

آ گئے اس کی آنکھوں میں آنسو علیمؔ
تیرے اشعار میں کتنی تاثیر ہے





غزل

کیا صرف مجھ سے آنکھ ملائی ہے آپ نے
کتنے ہیں جن کی نیند چرائی ہے آپ نے

پائل عجب ادا سے بجائی ہے آپ نے
تحریکِ حشر خوب چلائی ہے آپ نے

کس منھ سے اہل شہر کی تردید میں کروں
میرے بھی گھر میں آگ لگائی ہے آپ نے

اس بات سے بھی میں ہوں بہت دن سے باخبر
جو بات آج تک نہ بتائی ہے آپ نے

آسانیوں کی شکل دکھائی نہ دے گی اب
بستی وہ مشکلوں کی بسائی ہے آپ نے

دامن کے سرخ داغ پہ شک کر رہے ہیں لوگ
مہندی یہ کس طرح سے لگائی ہے آپ نے

کیا اس پہ ہوگا رد عمل دیکھئے علیم
محفل میں یہ غزل جو سنائی ہے آپ نے

غزل

نقاب اٹھا کے نہ زحمت اٹھا زمانے کی
پتہ ہے تجھ کو کی نیت ہے کیا زمانے کی

جو تیرے دلمیں ہو وہ صاف صاف مجھ کو بتا
پہیلیاں نہ مجھے تو بجھا زمانے کی

تمہیں زمانے کا کیوں ڈر ہے اس قدر آخر
زمانہ کیا ہے حقیقت ہے کیا زمانے کی

جو ہمرکاب زمانہ سدا رہے ہیں وہی
برائی کرتے ہیں بے انتہا زمانے کی

میرے عزیز اگر الجھنوں سے بچنا ہے
تو زلف بھول کے مست چومنا زمانے کی

ہو کیا علاج زمانہ بھلا بغیر جہاں
وہی تھی اصل میں سچی دوا زمانے کی

کریں گے ہم نہ فراموش اتباع حسینؓ
بلا رہی ہے ہمیں کربلا زمانے کی

ہمارے سر پہ ہمارے خدا کا سایہ ہے
ہمیں لگے گی نہیں بددعا زمانے کی

ہمیں ہیں موردِ الزام دیکھنا لیکن
ہمیں کریں گے مقرر سزا زمانے کی

علیمؔ کتنی ہو دشوار رہ گذارِ حیات
کلائی تم نہ کبھی تھامنا زمانے کی





غزل

شاداں جو کہا جائے تو شاداں بھی نہیں ہوں
تڑپوں ترے بن اتنا پریشاں بھی نہیں ہوں

ہر چند مجھے اس کی تمنا نہیں لیکن
دامن جو پکڑ لے تو گریزاں بھی نہیں ہوں

میں چاند سے چہروں کی مذمّت نہ کرونگا
میں اتنا بڑا صاحبِ ایماں بھی نہیں ہوں

اس شوخ نے اپنے کو تو ٹھہرالیا بلقیس
اللہ مرے میں تو سلیماں بھی نہیں ہوں

بے تابئ الفت مری تسلیم کرے کون
ظاہر ہے کہ میں چاک گریباں بھی نہیں ہوں

پردے کے ادھر دونوں چراغوں سے یہ کہہ دو
میں قائلِ نظارہ جاناں بھی نہیں ہوں

میں خوش ہوں علیم اس نے اگر پھیر لیں نظریں
اچھا ہے میں شرمندۂ احساں بھی نہیں ہوں

غزل

شہر بتاں میں جب سے ہم انجان ہو گئے
مشہور ہم بھی صاحب ایمان ہو گئے

قربت میں کون کون نہ طوفان ہو گئے
آرام جاں سے ہم تو پریشان ہو گئے

شہروں میں تخت و تاج کی جنگیں چھڑی رہیں
جنگل میں جو پڑے تھے وہ سلطان ہو گئے

دل کو ملا جو درد تو قسمت چمک گئی
ہم تو غموں کی دھوپ میں انسان ہو گئے

باہر کی دھوم دھام سے چلتا کہیں ہے کام
اندر سے لوگ اصل میں ویران ہو گئے

جب ناؤ ڈوبنے میں کوئی شک نہ رہ گیا
گھبرا کے ہم بھی حامی طوفان ہو گئے

ہم کو خود اپنی خوبیاں اتنی پسند تھیں
ہم آئینے کو دیکھ کے قربان ہو گئے

اتنی جمال یار پہ غزلیں لکھیں علیم
ہم خود جمال یار کی پہچان ہو گئے





غزل

ترے بال انجمن میں جو یونہی کھلے رہیں گے
مری حسرتوں کے ساون مرے سامنے رہیں گے

جو ضدوں کے مسئلے ہیں یہی مسئلے رہیں گے
میں خفا خفا رہوں گا وہ تنے تنے رہیں گے

ہمیں برق کی طرف سے کوئی فکر ہی نہیں ہے
یہ جو پیار کے چمن ہیں یہ ہرے بھرے رہیں گے

نہ نظر رہے گی پیاسی نہ رہے گی یہ اداسی
وہ نقاب جب اٹھے گی تو بڑے مزے رہیں گے

جو امیر ہیں وہ پوچھیں یونہی نرخ جنتوں کے
جو فقیر ہیں انہیں کیا وہ کہیں پڑے رہیں گے

تری خودپسندیوں کا نہ طلسم ختم ہوگا
تری انجمن کے اندر جو یہ آئینے رہیں گے

اے علیم آج ہم سے جو بچا رہے ہیں دامن
وہی کل چراغ لے کر ہمیں ڈھونڈتے رہیں گے

غزل

سوچتا ہوں میں نے کیوں عرضِ تمنا کر دیا
مفت میں اس پھول سے چہرے کو شعلہ کر دیا

اس طرف مجبوری ایفائے وعدہ جو بھی ہو
آنکھوں آنکھوں میں ادھر میں نے سویرا کر دیا

آپ یہ رکھتے ہیں کیوں اے حضرت واعظ حساب
کس نے کس کے ریشمی آنچل پہ سجدہ کر دیا

میں وفاؤں کا صلہ اس سے نہ مانگوں گا کبھی
میرا جو کچھ فرض تھا وہ میں نے پورا کر دیا

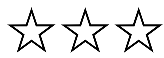
قیس کی تقلید کا میں خود مخالف تھا مگر
میری کچھ مجبوریوں نے اس کو لیلیٰ کر دیا

کیا بتاؤں اس نے ہنس کر اس طرح پوچھا مزاج
میری ساری رنجشوں کا رنگ پھیکا کر دیا

مطمئن ہوں میرے دل پر بوجھ اب کوئی نہیں
میں نے اپنی آرزو کا غم سے رشتہ کر دیا

آپ کی گلیوں سے ہم کو لینا دینا کچھ نہیں
ہم فقیروں نے تو جب موج آئی پھیرا کر دیا

اس کی پائل کی کھنک پر شعر پڑھ کر اے علیم
میں نے کتنی محفلوں میں حشر برپا کر دیا





غزل

محبت کے لہجے بدلنے لگے ہیں
مرے دوست کیا مجھ سے جلنے لگے ہیں

مجھے یوں لگا جب مزاج اس نے پوچھا
تغافل کے پتھر پگھلنے لگے ہیں

تمنا سے کہہ دو کہ مایوس مت ہو
درختوں میں پتے نکلنے لگے ہیں

محبت کے پیچھے پشیمان ہوکر
بہت لوگ اب ہاتھ ملنے لگے ہیں

ابھی تک خبر شمع کو یہ نہیں ہے
پتنگے کہیں اور جلنے لگے ہیں

نگاہ غم آلود میں پھر ہے شوخی
اداسی کے پھر پر نکلنے لگے ہیں

پریشانیاں ہیں میرے دشمنوں کو
مرے صبر کے پیڑ پھلنے لگے ہیں

کشیدہ کشیدہ نہ کیوں ہوں وہ مجھ سے
غلط مشوروں پروہ چلنے لگے ہیں

علیمؔ اس کے ہونٹوں پہ ہے مسکراہٹ
تغافل کے پتھر پگھلنے لگے ہیں





غزل

وہ مل جاتے تو ہم غم کی مرتب داستاں کرتے
وہ اپنے غم بیاں کرتے ہیں ہم اپنے غم بیاں کرتے

تم آئنوں کے کہنے میں نہ آجاتے اگر تو ہم
تمہیں اشعار کے جادو سے بے موسم جواں کرتے

تمہاری مانگ کو انکار تھا صندل کی خوشبو سے
ہمیں یارا نہیں تھا اہتمام کہکشاں کرتے

سلیقہ یہ ستم گاری کا آنا غیر ممکن تھا
تمہاری نقل چاہے تا قیامت آسماں کرتے

سمرقند و بخارا بخشتے تھے لوگ اک تل پر
تمنا تھی کہ تم کو نذر ہم ہندوستاں کرتے

ہمیشہ سے ہمیں عادت رہی صحرا نشینی کی
گزر ان شہریوں کے بیچ رہ کر ہم کہاں کرتے

علیمؔ اس بے رخی کا کوئی مطلب ہم نہیں سمجھے
شکایت ہم سے جو بھی تھی کم از کم وہ بیاں کرتے

غزل

ہم مطمئن ہیں آپ کا رخسار دیکھ کر
ہم کیا کریں گے چاند کو بیکار دیکھ کر

یہ مسکراہٹیں یہ ترے سر کی جنبشیں
حسرت تھرک اٹھی ترا انکار دیکھ کر

اس کو مجاہدوں میں کیا جائے گا شمار
جو بھی قلم اٹھائے گا تلوار دیکھ کر

کچھ لوگ اپنے قلب کی دھڑکن کے برخلاف
جیتے ہیں نبضِ وقت کی رفتار دیکھ کر

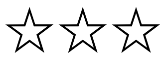
ان کو نصیب ہو نہ سکی خلعتِ جنوں
جو ڈر گئے بہار کے آثار دیکھ کر

ان کو نظر کی پیاس سے فرصت نہ مل سکی
کترائے جو شرائطِ دیدار دیکھ کر

وہ بارگاہِ ناز میں داخل نہ ہو سکے
جو سو گئے بہشت کی دیوار دیکھ کر

ظاہر جو کر رہے تھے اسیری کا اشتیاق
چکرا گئے وہ گیسوئے خمدار دیکھ کر

کتنے ہیں معتقد مری صورت کے اے علیم
کتنے ہیں معترف مرے اشعار دیکھ کر





غزل

اس نے کہلایا ہے گھر اس کے ہم آسکتے ہیں
یعنی ہم چاہیں تو جنت میں بھی جا سکتے ہیں

مسکراہٹ نہ تو شوخی نہ مخاطب کا جواب
ناز دیوار کے ہم کتنے اٹھا سکتے ہیں

خاص مفہوم تبسم کا کوئی ہو کہ نہ ہو
وہ پہیلی تو بہرحال بجھا سکتے ہیں

آپ اپنے کو جہاں تک بھی سجائیں لیکن
آپ کیا عمر گزشتہ کو بلا سکتے ہیں

لوگ اب تک نہیں سمجھے ہیں غزل کی وسعت
سات دریا اسی کوزے میں سما سکتے ہیں

آنسوؤں پر کسی صورت نہ پڑے گا پردہ
لوگ جگنو تو دوپٹے میں چھپا سکتے ہیں

ہم تو مجبور ہیں اس پیار کی عادت سے علیم
ہم تو دشمن کو بھی پلکوں پہ بٹھا سکتے ہیں

غزل

یہ جو پردہ ہے بتاؤں میں اسے کیا سمجھو
اس کو خورشید پہ رکھا ہوا شیشہ سمجھو

دشمنی عشق سے ناعاقبت اندیشی ہے
عشق کو بخشش انساں کا وسیلہ سمجھو

آدمی آندھی ہے دریا بھی ہے انگارہ بھی
آدمی کو نہ فقط خاک کا پتلا سمجھو

میں نے واعظ کو سنا یہ بھی چھپے رستم ہیں
جب یہ عالم ہے تو پھر کس کو فرشتہ سمجھو

میری خواہش ہے کہ سرسبز رہے شاخ گلاب
پھول سمجھوں میں تمہیں تم مجھے کانٹا سمجھو

ہے حسینوں میں عجب ظاہر و باطن کا تضاد
سنگ نکلے گا جسے چاند کا ٹکڑا سمجھو

کتنی گلیاں ہیں جو محبوب کے گھر جاتی ہیں
کم سے کم کوچہ محبوب کا نقشہ سمجھو

اس کی الزام تراشی کا تو یہ عالم ہے
اب مرے حق میں اسے بنتِ زلیخا سمجھو

ہر تمنا ہے فلسطین ہر ارماں بیروت
دل کی دنیا کو بھی اب مشرقِ وسطیٰ سمجھو

اس کی مرضی کے مطابق ہی مجھے چلنا ہے
دستِ جاناں میں مجھے تاش کا پتہ سمجھو

اس طرح اس کی خوشی پر ہے علیم اپنا وجود
جیسے بچے کی ہتھیلی پہ ہو سکہ سمجھو



غزل

عارضوں کے گلابوں سے ڈرتے رہے
آرزوؤں کا ہم خون کرتے رہے

ہم بسران کی قدموں میں کرتے رہے
لوگ نظروں سے گرگرکے مرتے رہے

رات بھر غم سے آہیں جو بھرتے رہے
دن میں خوشیاں وہ تقسیم کرتے رہے

طنز اہل وفا پروہ کرتے رہے
غم کے خنجر دلوں میں اترتے رہے

جن کا پتھر کی طاقت پہ ایمان تھا
وہ تو شیشے پہ تنقید کرتے رہے

آخرت پر رہا زور واعظ کا کیوں
اصل میں وہ حسینوں سے ڈرتے رہے

وضع داری میں زخموں کے پھولوں سے ہم
حسب توفیق بنتے سنورتے رہے

آتش غم کی تاثیر بتلائیں کیا
ہم تو تپتے رہے وہ نکھرتے رہے

پیار سے بھوک سے حادثے سے علیم
مختلف شکل میں لوگ مرتے رہے





غزل

یقیں رکھے وہ کیا جلوہ گری میں
جلا ہو عمر بھر جو چاندنی میں

مچی ہلچل سکون زندگی میں
گرا پتھر تمنا کی ندی میں

بھروسہ کون ہے اس کی خوشی کا
گھڑی میں خوش ہے ناخوش ہے گھڑی میں

مذمت ہے ہماری اس کے لب پر
لگی ہے آگ گل کی پنکھڑی میں

مزے جی بھر کے لوٹیں دشمنی کے
لگادیں آگ آؤ دوستی میں

تری تانیں وہی ہیں شیام لیکن
وہ جادو کیوں نہیں ہے بانسری میں

تری گلیوں کے کیا چکر لگاتے
ہمیں خود کھو گئے اپنی گلی میں

برا فرما رہے ہیں مئے کو واعظ
فرشتہ پن یہ کیسا آدمی میں

محبت کے سبھی قائل ہیں لیکن
تکلف ہے بقائے باہمی میں

علیمؔ اس دور میں ہم کو ہے لازم
غزل لکھو لہو کی روشنی میں





غزل

ابھی تک خواب منزل پردہء وہم وگماں میں ہے
کہیں سے کچھ کمی شاید امیر کارواں میں ہے

مرے غم سے چمک اور اس کے روئے شادماں میں ہے
بڑی تکلیف دہ یہ بات اس آرام جاں میں ہے

نظارہ کہکشاں کا کر کے آنکھیں سینک لیتا ہوں
تمہاری راہ کی خاصی شباہت کہکشاں میں ہے

خدا کے ہاتھ میں رہتے ہوئے دل کھنچتے جاتے ہیں
نہ جانے کیا کشش وارثؒ تمہارے آستاں میں ہے

محبت کی ہیں لاکھوں داستانیں اس زمانے میں
مگر اک اسمِ اعظم ہے جو میری داستاں میں ہے

وضاحت حضرت واعظ کی سن کے مجھ کو لگتا ہے
یہ جنت جس کو بتلاتے ہیں وہ کوئے بتاں میں ہے

تمہارے جور میں تاویل جو کرتے ہیں وہ ناداں ہیں
تمہارا جور تو مشہور ساتوں آسماں میں ہے

جہادِ حق کے متوالے مجھے اک بات بتلائیں
کلید کعبہ کس بنیاد پر دست بتاں میں ہے

نہ اپنی موت کو میں خودکشی سمجھوں تو کیا سمجھوں
مری غفلت سے میرا تیر دشمن کی کماں میں ہے

علیمؔ اپنے وطن کی سرزمیں پہ فخر ہے ہم کو
محبت کے علاوہ کیا نہیں ہندوستاں میں ہے





غزل

تم کیوں رخ روشن کو آنچل سے چھپاتے ہو
سورج کے چمکنے پر کیوں قید لگاتے ہو

مجھ کو میری نظروں میں شرمندہ کراتے ہو
تم یاد مجھے آخر اب کیوں نہیں آتے ہو

واللہ دل وجان میں تم خوب سماتے ہو
آئینہ جو میں دیکھوں اب تم نظر آتے ہو

کیوں عام بناتے ہو تم اپنے نظارے کو
ہر شخص کو جنت کی کیوں سیر کراتے ہو

ہنس دیتے ہو تم سن کر افسانۂ غم میرا
بالکل مجھے تم دل کے پتھر نظر آتے ہو

تم نے کبھی بھولے سے دو حرف اسے لکھے
تم جس کے لفافوں کو سینے سے لگاتے ہو

اس عرض تمنا کا اس پر نہ اثر ہوگا
بیکار کو پانی میں تصویر بناتے ہو

کیا سوچ کے تم آخر پتھر کی چٹانوں پر
شیشے کی حویلی کا منصوبہ بناتے ہو

کیوں دل میں لگاتے ہو تصویر علیم اس کی
اللہ کے گھر کو تم بتخانہ بناتے ہو





غزل

باقی ہے تری تھوڑی سی پہچان ابھی اور
تو ٹھیک سے آنچل کو ذرا تان ابھی اور

ہونا ہے بہت لوگوں کو قربان ابھی اور
پردے سے تو جلوے کو ذرا چھان ابھی اور

میخانے میں ساقی کی یہ کوتاہ نگاہی
کتنوں کو بنا دے گی مسلمان ابھی اور

گر فیض بہاراں کے یہی رنگ رہیں گے
پھاڑیں گے بہت لوگ گریبان ابھی اور

شرمندۂ تعبیر ہو کیا خوابِ قیامت
درکار ہیں ہر شہر میں طوفان ابھی اور

مل جائے گی کل خاک میں یہ عظمت انساں
گرنے دو ذرا قیمت ایمان ابھی اور

اک قتل سے میرے تمہیں چھٹی نہ ملے گی
ہیں شہر میں بے تاج کے سلطان ابھی اور

چہرہ ہے دھواں ان کا ٹھہرتے نہیں آنسوں
لگتا ہے کہ بارش کا ہے امکان ابھی اور

غم اپنا کہا ان سے تو وہ ہنس کے یہ بولے
اللہ کرے تم ہو پریشان ابھی اور

بچھڑے جو اسی طرح علیم اہل محبت
دینا کو مری ہونا ہے ویران ابھی اور





غزل

دریا کی حمایت میں جو قطرہ نہ رہے گا
یہ بات تو پھر طے ہے کہ دریا نہ رہے گا

ہمت کا زمانے میں اجالا نہ رہے گا
پتھر کے نشانے پہ جو شیشہ نہ رہے گا

آنکھیں جو چرائیں گے محبت سے یونہی لوگ
لوگوں کو تڑپنے کا سلیقہ نہ رہے گا

اس بزم سے بالفعل اگر اٹھ بھی گئے ہم
اس بزم میں کیا ذکر ہمارا نہ رہے گا

مٹی میں ملا دی گئی گر عظمت انساں
پھر چین سے یہ خاک کا پتلا نہ رہے گا

گر آپ مجاہد ہیں تو پھر اتنا سمجھ لیں
آنسو کا کبھی آنکھ میں قطرہ نہ رہے گا

ہر سمت ہے کچھ اتنا اندھیرا کہ علیم اب
شمعیں بھی جلیں گی تو اجالا نہ رہے گا

غزل

اب بادِ سحر یاد نہ اب بادِ صبا یاد
بس مجھ کو ہے اس ریشمی آنچل کی ہوا یاد

کچھ اتنے بڑھے میرے مقدر کے اندھیرے
وہ زلف نہ اب یاد نہ ساون کی گھٹا یاد

مدت ہوئی میں اپنا پتا بھول چکا ہوں
ممکن ہے کہ احباب کو ہو میرا پتا یاد

کانٹوں کے تبسم سے پہونچتا ہے مجھے دکھ
آجاتی ہے مسکی ہوئی وہ سرخ قبا یاد

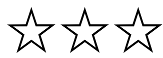
قائل وہ نہیں ہوں گے ترے دست کرم کے
جن کو ترے ہاتھوں کی ہے مشکوک حنا یاد

جس وقت کسی بت سے میں کرتا ہوں ملاقات
معلوم نہیں کیوں مجھے آتا ہے خدا یاد

یہ ہچکیاں آنے لگیں اللہ مجھے کیوں
لگتا ہے مجھے بھولنے والے نے کیا یاد

محفل میں بہ انداز غزل پڑھ دیا ہم نے
تسخیر خلائق کی تھی اک ہم کو دعا یاد

کچھ عہد علیم اس سے ہوا تھا کبھی لیکن
اب اس کا کہا یاد نہ کچھ اپنا کہا یاد





غزل

کبھی وہ بھول کر بھی مجھ پہ اب برہم نہیں ہوتا
بہت دن ہو گئے میں سرفراز غم نہیں ہوتا

اسیر گیسوء پیچاں کی الجھن مٹ بھی سکتی ہے
بہت سے ایسے گیسو ہیں کہ جن میں خم نہیں ہوتا

بتوں کا تذکرہ اکثر کیا کرتے ہیں کیوں واعظ
فرشتوں کا بھی کیا ایمان مستحکم نہیں ہوتا

تلوّن ہو تاّمل ہو تجاہل ہو تغافل ہو
تعلق دل کا ان باتوں سے ہرگز کم نہیں ہوتا

دعا رو رو کے کیا مانگوں مجھے تو شرم آتی ہے
مجاہد کا کسی حالت میں دامن نم نہیں ہوتا

شہید ملک وملت کی بہت عظمت سہی لیکن
قتیلِ تیغ ابرو کا بھی رُتبہ کم نہیں ہوتا

یہاں تو پھول سے چہروں میں ساری عمر گذری ہے
یہاں ایمان کوئی قطرۂ شبنم نہیں ہوتا

مُصر کیوں ترک مئے پر آپ ہیں اے حضرت واعظ
بلا توفیق کچھ بھی قبلہ عالم نہیں ہوتا

علیم اس کی ہنسی پر منحصر دل کی بہاریں ہیں
کلی ارماں کے کھلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا





غزل

دولت ہے زندگی نہ تو ثروت ہے زندگی
میری نظر میں چاند سی صورت ہے زندگی

جب اس نے خود کہا ہے محبت ہے زندگی
خوشیوں کی اب تو تجھ کو بشارت ہے زندگی

اپنی جگہ وہ کتنی غلط فہمیوں میں ہیں
جو جانتے ہیں ان کی بدولت ہے زندگی

منت گذار جو ہیں ترے ان میں ہم نہیں
میرا وجود تیری علامت ہے زندگی

کیا عاشقی شمار عبادت نہیں ہے شیخ
یہ ٹھیک ہے برائے عبادت ہے زندگی

آئینہ عمل میں ذرا اپنی شکل دیکھ
پھر یہ بتا کی کیا تری قیمت ہے زندگی

اب تو کرم میں شرط شکستِ انا بھی ہے
منظور کیا تجھے یہ محبت ہے زندگی

کس طرح مطمئن ہوں تری دھڑکنوں سے ہم
تیری وفا کی کوئی ضمانت ہے زندگی

ہے ان کی راہ میں جو شہادت کی ضد تجھے
میری طرف سے تجھ کو اجازت ہے زندگی

کہہ دو اندھیری رات سے مایوس ہم نہیں
نکلے گی دھوپ پھر جو سلامت ہے زندگی

ہو ان کی بات چاہے غلط سے غلط علیم
میرے لئے تو ان کی حمایت ہے زندگی



غزل

کتنے دن سے اہتمام سوزِ جاں کوئی نہیں
کیا کروں برسانے والا بجلیاں کوئی نہیں

راہ الفت میں قدم جب رکھ دیا تو رکھ دیا
اب مجھے اندیشۂ سود و زیاں کوئی نہیں

تب یہ مشکل تھی ہمارے درمیاں تھے سو حجاب
اب یہ مشکل ہے حجاب درمیاں کوئی نہیں

بارشیں پتھر کی ہوتی ہیں بہت دن سے مگر
آج تک ٹوٹا ہے شیشے کا مکاں کوئی نہیں

اس کا چہرہ خود ہے اب میری مذمت کی کتاب
میں سمجھتا تھا کہ مجھ سے بدگماں کوئی نہیں

جو بھی ڈالی مل گئی اس پر بسیرا کرلیا
اب کہیں محفوظ میرا آشیاں کوئی نہیں

میرے ان کے جتنے افسانے ہیں سب ہیں مشترک
میری خود اپنی اکیلی داستاں کوئی نہیں

اصل میں رخسار بوسی ہے چمن کا اک رواج
پھول کی رشتے میں ورنہ تتلیاں کوئی نہیں

غمگساروں سے بھرا ہے شہر لیکن اے علیم
اس میں سچے موتیوں کی اک دوکاں کوئی نہیں





غزل

نیند پلکوں کے سائے میں تھی جاگتے جادوؤں کی طرح
لطف پتھر کے تکئے میں تھا یار کے زانوؤں کی طرح

روح کو زخم لگتے رہے مستقل چاقوؤں کی طرح
کان میں لفظ رینگا کئے قبر کے بچھوؤں کی طرح

آس کی دھوپ چمکی نہیں بوند ساون کی برسی نہیں
آئے بادل تو اکثر مگر چمنیوں کے دھوؤں کی طرح

پیاس ہے اپنی معراج پر منع کرتی ہیں آنکھیں مگر
جانے کیا چیز ساغر میں ہے خون کے آنسوؤں کی طرح

کم سے کم یہ تو دیتے بتا کونسی میں نے کی ہے خطا
مجھ سے ناحق وہ بیزار ہیں دیش کے ہندوؤں کی طرح

وہ تو تصویر ہے شرم کی جس کے مکھڑے پہ ہے سادگی
اس کی باتوں میں ہے نغمگی بام کے گھونگھروؤں کی طرح

اے علیم اپنی یہ ہے دعا پھول بن کر ہنسے وہ سدا
میرا کیا میں تو اڑ جاؤں گا ایک دن خوشبوؤں کی طرح

غزل

جو ہمدم و ہمراز ہیں بیگانے بنیں گے
کل رحمت جاں آج کے یارانے بنیں گے

مسجد کے جو نزدیک صنم خانے بنیں گے
مسجد سے جو نکلیں گے وہ دیوانے بنیں گے

اب سوز محبت کا زمانہ یہ نہیں ہے
پچھتائیں گے جو شمع کے پروانے بنیں گے

کرنا ہی نہیں تھا مجھے اظہار محبت
لگتا ہے اسی بات کے افسانے بنیں گے

اک بوند بھی پینے سے میں معذور ہوں ساقی
جب تک مری مرضی کے نہ پیمانے بنیں گے

اس وقت کے آنے کی دعا مانگ رہا ہوں
جب شہر کے ہر موڑ پہ میخانے بنیں گے

ہم سنگ بکف لوگوں کی نیت سے ہیں واقف
کیا ہم کوئی ناداں ہیں جو دیوانے بنیں گے

کچھ مرمریں سائے مری بالیں کے ہیں نزدیک
کیا تاج محل اب مرے سرہانے بنیں گے

پہنچے ہیں علیم اتنے سناشاؤں سے صدمے
اب وہ بھی ملے گا تو ہم انجانے بنیں گے





غزل

کہاں اتارے گی خوابوں کی پالکی مجھ کو
سنائی دیتی ہے جنگل کی بانسری مجھ کو

تمہارے جسم کا باریک کس قدر ہے لباس
دکھائی دیتی ہے ساغر میں چاندنی مجھ کو

مرے وجود کا پتھر نہ موم بن جائے
سلام کرتی ہے پھولوں کی پنکھڑی مجھ کو

نہ جانے چاند سے کتنے گنا حسین ہیں آپ
مثال جھوٹ سی لگتی ہے چاند کی مجھ کو

مرے وقار کی بربادیاں خدا کی پناہ
گراں پڑی ہے بہت اس کی دوستی مجھ کو

یقین آئے گا کس کو بیان کس سے کروں
ملا ہے آپ سے جو فیض بے رخی مجھ کو

ستم بطرز محبت جفا برنگ خلوص
پسند آئی بہت اس کی دشمنی مجھ کو

تمہارے قرب کی برکت بھی دیکھ لی میں نے
ستا رہی ہے سمندر پہ تشنگی مجھ کو

فراز دار کا ہے راستہ وہی اے علیم
وہ راستہ جو دکھاتی ہے راستی مجھ کو





غزل

متاعِ درد کے تقسیم کارو جاگتے رہنا
ہمارے جاگنے کے ذمہ دارو جاگتے رہنا

خرد ہے تاک میں وحشت شعارو جاگتے رہنا
جنوں کی سلطنت کے تاجدارو جاگتے رہنا

یہی معراجِ غم ہے غم کے مارو جاگتے رہنا
پلک لگنے نہ پائے میرے پیارو جاگتے رہنا

تمہارے دم سے دنیائے تصور میں اجالا ہے
مری آنکھوں کے مفروضہ نظارو جاگتے رہنا

حنائی انگلیوں کے لمس میں اک نغمہ جاں ہے
مری نبضوں کے اے باریک تارو جاگتے رہنا

شب غم شہر میں آئے گی کیسی الجھنیں لے کر
خم گیسو کے افسانہ نگاروں جاگتے رہنا

غرور حسن کی پکی حویلی گرنے والی ہے
مری حسرت کے اے کچے مزارو جاگتے رہنا

علیم اس بے قراری کے لئے ہے شرط بیداری
یہ بازی پیار کی جیتوں کی ہارو جاگتے رہنا





غزل

اس رشک ماہتاب کی عادت نہ پوچھئے
صورت کی بات کیجئے سیرت نہ پوچھئے

کیا کیا ہے ان بتوں سے شکایت نہ پوچھئے
اللہ دے رہا ہے ہدایت نہ پوچھئے

آپ اپنی استطاعت دل خود ہی دیکھئے
مجھ سے مرے خلوص کی قیمت نہ پوچھئے

وہ مائل کرم ہیں تعجب کی بات ہے
کیسے پلٹ گئی مری قسمت نہ پوچھئے

دکھ میرا سن کے چھا گئی یوں رخ پہ زردیاں
سونے کی بن گئی مری جنت نہ پوچھئے

حالات ہونے دیں گے تصدق نہ آپ پر
کتنی ہے مجھ کو اپنی ضرورت نہ پوچھئے

اللہ جانتا ہے مرا ضبط غم علیم
اس سلسلے میں میری بھی قدرت نہ پوچھئے

غزل

رشک گل جام صفت زہرہ جبیں ہوتے ہیں
روز اول سے ہی کچھ لوگ حسیں ہوتے ہیں

وہ تلون ہو کہ شکوہ ہو کہ ماتھے کی شکن
ہم تو ان باتوں سے ناراض نہیں ہوتے ہیں

کیامکانوں سے مکینوں کا کریں اندازہ
خانقاہوں میں بھی محروم یقیں ہوتے ہیں

رغبت خلدبریں سب کو نہیں اے واعظ
کتنے دلدادہء فردوس زمیں ہوتے ہیں

درد دل شرط ہے اندر کی مسرت کے لئے
خوش وہی رہتے ہیں جو غم کے امیں ہوتے ہیں

اس کی فرقت میں تڑپنے سے بھلا کیا حاصل
مسئلے حل تو تڑپنے سے نہیں ہوتے ہیں

دین وایماں کو بچانا نہیں آساں ہے علیم
دین وایماں کوئی لوہے کے نہیں ہوتے ہیں

غزل

مجھے کون دے تسلی مرا کون غم بٹائے
مری آرزو تو یہ ہے کہ وہ روز روز آئے

مری قربتوں کے سر پر ہیں شکایتوں کے سائے
نہ اسی کو نیند آئے نہ مجھی کو نیند آئے

وہی غم جو مجھ سے سن کر وہ مری ہنسی اڑائے
وہ غم غزل میں کہدوں تو وہ جھوم جھوم جائے

تری دید کی طلب میں کوئی جاں بلب ہے کب سے
تو اگر نقاب اٹھائے تو بڑا ثواب پائے

ہیں کہاں حیا کی قدریں وہ ملا رہا ہے نظریں
نہ اسے حجاب آئے نہ مجھے حجاب آئے

رہی دل کی دل میں میرے رہی دل کی دل میں اس کے
میں کہانیاں سناؤں وہ پہیلیاں بجھائے

اے علیم نام اس کا نہ کبھی زباں پہ آیا
مگر اس کے تن کی خوشبو مری ہر غزل سے آئے

غزل

ارمانوں کے گلشن میں کیا آگ لگاؤ گے
کیا تم مرے خوابوں کو پنجاب بناؤ گے

تم سات نقابیں بھی عارض پہ گراؤ گے
سورج کی تمازت کو روک نہ پاؤ گے

ہر زخم تمنا کا ہر پھول دکھا دیں گے
تم پہلے قسم کھاؤ بجلی نہ گراؤ گے

تم صحرا نوردوں کو چھیڑا نہ کرو ورنہ
آنچل میں ستاروں کے تم شہر بساؤ گے

اللہ کی قدرت ہے اللہ یہ دن لایا
تم مجھ کو وفاؤں کے آداب سکھاؤ گے

جس دن مرے نغموں کو نیند آئی اسی دن سے
تم اپنی بھی پائل میں آواز نہ پاؤ گے

تم جان نگاراں ہو ضد چھوڑو علیم اپنی
تم بزم نگاراں میں کب تک نہیں جاؤ گے

غزل

اس کا مزاج ترش ہے یہ جانتے ہیں ہم
کب اس کی بے رخی کا برا مانتے ہیں ہم

ہم کو شکست دیتی ہے وہ چشمِ التفات
ترکِ تعلقات کی جب ٹھانتے ہیں ہم

ہم اس کا کیا کسی سے تعارف کرائیں گے
خود کو تو ٹھیک سے نہیں پہچانتے ہیں ہم

اک ذرہ بھر رقیب سے شکوہ نہیں ہمیں
اس کو تو خوش نصیبوں میں گردانتے ہیں ہم

کرنا نہیں ہے ہم کو کوئی اس پہ تبصرہ
ہم جان اس پہ دیتے ہیں یہ جانتے ہیں ہم

دنیا سے توڑ لیتے ہیں ہم اپنا واسطہ
چادر تمہاری یاد کی جب تانتے ہیں ہم

ہم اور کیا لکھیں گے غزل کے سوا علیم
اہلِ سخن ہیں فرضِ قلم جانتے ہیں ہم

غزل

تقلید وضع گیسو جانانہ چاہیئے
اے میری رات تجھ کو بھی بل کھانا چاہیئے

گھر میرے حسب وعدہ اسے آنا چاہیئے
قسمت کو آج رات پلٹ جانا چاہیئے

اتنی نہ ڈھیل دینی تھی میرے خیال سے
اب پیار کی پتنگ کو کٹ جانا چاہیئے

دھوپیں ہیں تیز گردش دوراں کی کس قدر
اب تم کو زلف کھول کے لہرانا چاہیئے

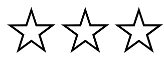
خواہش ہے جن کو عشق میں آغوش یار کی
ان کو کنوئیں میں ڈوب کر مر جانا چاہیئے

ظاہر ہے جب نگاہ سے ہم ان کی گر گئے
اب ہم کو آسمان سے لوٹ آنا چاہئے

ہے معرفت کا شوق جو زاہد تو کم سے کم
کچھ اہتمام شیشہ و پیمانہ چاہئے

کترا رہے ہیں عشق میں کیوں سوزِ غم سے لوگ
کچھ تو لحاظ سنتِ پروانہ چاہئے

میری غزل علیم وہ سن لیں تو پھر انھیں
انگلی دبا کے دانت میں رہ جانا چاہئے





غزل

کھلے لفظوں میں یااللہ کہتی ہے زباں کیسا
خدا کا ذکر جاری ہے بتوں کے درمیاں کیسا

سجا ہے طنز کے پھولوں سے دل کا گلستاں کیسا
مہکتا ہے کوئی موسم ہو ہر زخم زباں کیسا

مری تکلیف بڑھ جاتی ہے ماحول مسرت میں
برا ہے حال اچھی صورتوں کے درمیاں کیسا

بچشم خود انہیں آنسو بہاتے میں نے دیکھا ہے
میں واقف ہوں کہ ہوتا ہے ستاروں کا جہاں کیسا

کنایات غزل کو موت آجاتی تو اچھا تھا
پسینہ ان کے رخ پر ہے نصیب دشمناں کیسا

یہ شہرِ دل تو اقلیم یقیں کی راجدھانی ہے
یہاں چلنے لگا یہ سکہ وہم وگماں کیسا

ذرا پچھلے پہر یادِ صنم کرنا بھی ہے مشکل
خلل انداز ہوتی ہے مؤذن کی اذاں کیسا

بحمدللہ کچھ ہم بھی شعورِ سجدہ رکھتے ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ہے تمہارا آستاں کیسا

مسلسل پتھروں پر چل کے آنا ہو تو آجاؤ
ہمارے گھر کے رستے میں سوالِ کہکشاں کیسا

یہ ٹوٹی چھت یہ مٹی کا دیا یہ کچھ کتابیں ہیں
بتاؤ اب کہ لگتا ہے تمہیں میرے یہاں کیسا

علیم اک عمر رسم و راہ ٹوٹے ہوگئی جن سے
یہ ان کے پاؤں کا خوابوں کے آنگن میں نشاں کیسا



غزل

بہت باتیں ابھی اک دوسرے سے ہیں نہاں شاید
تکلف اب بھی باقی ہے ہمارے درمیاں شاید

ہے پہلی بار ایسی بارش تیرزباں شاید
نشانے پر ہے اب کے سال فصلِ زخمِ جاں شاید

یونہی خیریتیں پوچھی گئیں ہم سے تو لگتا ہے
ہمیں بیمار کردیں گے ہمارے مہرباں شاید

ہنسی آتی ہے ہم کو پی کہاں کے رٹنے والے پر
چڑھائے ہم ہیں جتنی اس نے اتنی پی کہاں شاید

مری گنگا کا پانی اب بنے گا ارغواں شاید
جوانی اب لگے کی قسمت ہندوستاں شاید

پرانے درد کی جب بات آتی ہے تو ہنستے ہو
تمہارے شہر میں چلتی نہیں پروائیاں شاید

جو نگہہ ناز کے تیروں کا کاروبار کرتے تھے
انہوں نے آج کل کھولی ہے موتی کی دکاں شاید

مری ٹھنڈی جبیں ممکن ہے سورج بننے والی ہو
بلاتا ہے پئے سجدہ کسی کا آستاں شاید

علیم اس کے ستم سے ہم تو پہونچے اس نتیجے پر
ملامت کا نشانہ مفت میں ہے آسماں شاید





غزل

تو بنے گی اگر درد سر زندگی
پھینک دوں گا تجھے کاٹ کر زندگی

موت کو ہم لگاتے رہے ہیں گلے
کیا ہمیں ہے کوئی تیرا ڈر زندگی

بے مروت کو لوگوں نہ آواز دو
اب نہیں آئے گی لوٹ کر زندگی

زندگی پستیوں میں سسکتی رہی
لوگ ڈھونڈا کیئے چاند پر زندگی

جان اس جان جاں پر چھڑکتے ہیں ہم
جو ترے جی میں آئے وہ کر زندگی

اس کے ابرو میں ہلکی سی جنبش تو ہو
ہم تو رکھ دیں گے تلوار پر زندگی

اے علیم اپنی غزلیں ہیں اس کے لئے
جس کی یادوں پہ ہے منحصر زندگی

غزل

ہر دشمنی کے بعد بھی سب مہرباں ملے
دشمن کو ہم ترس گئے دشمن کہاں ملے

اب تو خراب لوگوں کی صحبت کہاں ملے
میخانے بھی گئے تو فرشتے وہاں ملے

کس کو بتایئے اپنی وہ بدقسمتی کا حال
آرام جاں سے بھی جسے تکلیف جاں ملے

راتیں خراب ہوتی ہیں بزم سخن میں اب
حسنِ زباں ملے نہ تو طرزِ بیاں ملے

مقصد مری دعا کا فقط ہے حریمِ ناز
الفاظ میرے یہ ہیں کہ باغِ جناں ملے

ہم سادہ دل تھے ہم نے وہیں عمر کاٹ دی
دو چار ہم کو چاند کے ٹکڑے جہاں ملے

اس بزم میں علیم سے واقف نہیں ہے کون
غزلوں کی چھاؤں میں جو ہمیشہ جواں ملے

غزل

ہر اک نگاہ کو فکر حجاب دینا ہے
اسے شکستِ غرور شباب دینا ہے

ستم گروں کو یہ شاید پتا نہیں ہے کہ کل
ستم ستم کا خدا کو حساب دینا ہے

جو مر چکے ہیں کوئی دسترس نہیں ان پر
جو جی رہے ہیں انہیں کو عذاب دینا ہے

یہ کیسے ہو گیا باطل کی طاقتوں کا عروج
جو حق پرست ہیں ان کو جواب دینا ہے

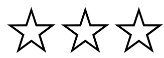
بہت سے ہو گئے مستقبل حیات کے خواب
اب احتیاط سے ترتیب خواب دینا ہے

یہ طے ہوا ہے کفیلان روشنی میں کہ اب
ہر ایک شخص کو اک آفتاب دینا ہے

خرید لوں وہ جو بکتے ہیں سرخ کاغذ کے
کل اک عزیز کو نذر گلاب دینا ہے

شراب دے نہ یوں منھ دیکھ دیکھ کر ساقی
ترے تو فرض میں داخل شراب دینا ہے

سوال تم سے زمانہ جو کر رہا ہے علیم
جواب تم کو کوئی لاجواب دینا ہے





غزل

کچھ آپ بے نقاب ہیں کچھ بے حجاب ہم
جتنے خراب آپ ہیں اتنے خراب ہم

ساقی کو یہ بتادو کہ ہم اہل ظرف ہیں
پانی سے بھی اٹھائیں گے لطفِ شراب ہم

یہ صاحب شباب سمجھتے ہیں ہم کو کیا
برسوں رہے ہیں خود ہی سراپا شباب ہم

دنیا طرح طرح کے اٹھاتی رہے سوال
اپنا جواب تم ہو تو اپنا جواب ہم

کیوں دوڑتی ہیں آپ کے عارض پہ سرخیاں
محفل میں جب بھی کرتے ہیں ذکرِ گلاب ہم

ہوتا ہے ہم کو اپنی معصومیت پہ شک
جب دیکھتے ہیں آپ کے بارے میں خواب ہم

کترا کے ہم سے چلتی ہے نادان چاندنی
باہوں میں جب کہ رکھتے ہیں کل ماہتاب ہم

جو کامیاب عشق ہیں وہ مشکلوں میں ہیں
خوش قسمتی سے ہوگئے ناکامیاب ہم

معراج دردِ دل ہمیں حاصل ہے اے علیم
بے فیضیوں سے اس کی ہوئے فیضیاب ہم





غزل

ہم اٹھ گئے جو پیاس لبوں پر لئے ہوئے
ڈھونڈیں گے ہم کو لوگ سمندر لئے ہوئے

دیکھیں حریم ناز سے آتا ہے کیا جواب
در پر کھڑے ہیں لوگ مقدر لئے ہوئے

ہم کو ستمگروں کا ذرا بھی نہیں ہے ڈر
نکلے ہیں ہم ہتھیلی پہ جب سر لئے ہوئے

نزدیک میرے آئے ہیں اللہ خیر ہو
سرخاب کے وہ ہاتھ میں دو پر لئے ہوئے

کیسے جنوں میں اور خرد میں ہو امتیاز
ہر آدمی ہے ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے

ہم کو ہے جن کے جنبش ابرو کی آرزو
وہ اپنی آستیں میں ہے خنجر لئے ہوئے

تا خیر اب نہ فتنے جگانے میں تم کرو
دنیا ہے دل میں حسرت محشر لئے ہوئے

کتنے ہی لوگ پی چکے اس چشم مست سے
بیٹھے ہیں ہم روایت ساغر لئے ہوئے

ہم سے گریز ملنے میں جن کو ہے اے علیم
ہم پھر رہے ہیں ان کو قلم پر لئے ہوئے





غزل

اس رات ہم اندیشہ فرد اسے ملے تھے
جس رات ہم اس غیرت زہرہ سے ملے تھے

ہے خوب ہمیں یاد کہ یہ باغ وہی ہے
جس باغ میں ہم نرگس شہلا سے ملے تھے

وہ راز تو اب پوچھ لئے شیخ حرم نے
جو راز ہمیں دیر و کلیسا سے ملے تھے

ہم زہر نہ پیتے تو بھلا کیسے نہ پیتے
جب زہر ہمیں اپنے مسیحا سے ملے تھے

ان گیتوں میں تاثیر محبت ہی نہیں اب
جو گیت ہمیں بلبل شیدا سے ملے تھے

کیا بولتے ہم مشورہ بادہ کشی میں
کچھ رند تھے جو قبلہ وکعبہ سے ملے تھے

اشعار علیم آپ کے ہونٹوں پہ ہیں کیسے
کیا آپ بھی اس شاعر رسوا سے ملے تھے

غزل

اب جام نگاہوں کے نشہ کیوں نہیں دیتے
اب بول محبت کے مزا کیوں نہیں دیتے

تم کھول کے زلفوں کو اڑا کیوں نہیں دیتے
تم شان گھٹاؤں کی گھٹا کیوں نہیں دیتے

اک گھونٹ کی امید سمندر سے نہیں جب
پھر آگ سمندر میں لگا کیوں نہیں دیتے

ہے منتظر حشر بہت دیر سے دنیا
گھنگھرو ترے پیروں کے صدا کیوں نہیں دیتے

یہ دھوپ رہے گی تو یہ رسوائی کرے گی
سورج کو گنہگار بجھا کیوں نہیں دیتے

تم دوسرے لوگوں پہ نہ رکھا کرو الزام
ہر بات میں تم میری خطا کیوں نہیں دیتے

قاتل کا ہے کیا نام؟ یہ سب پوچھ رہے ہیں
کیا ہم بھی ہیں ہم نام بتا کیوں نہیں دیتے

تم کو مرے انداز وفا سے ہے شکایت
تم مجھ کو وفا کرکے دکھا کیوں نہیں دیتے

جو لوگ علیمؔ اپنی جگہ میرؔ بنے ہیں
اشعار کو وہ طرز ادا کیوں نہیں دیتے





غزل

لازم ہے احترام روایت کیا کریں
اوپر کے دل سے چاہے محبت کیا کریں

مایوسیوں کا صرف ہے دنیا میں اک علاج
تعمیر آرزوؤں کی جنت کیا کریں

اس پھول سے بدن کی طرف سے ہے ہم کو ڈر
آپ اپنے اس بدن کی حفاظت کیا کریں

اوروں کی دید میں تو ہزاروں ہیں مشکلیں
ہم سوچتے ہیں اپنی زیارت کیا کریں

واعظ یہ دور قرب قیامت کا دور ہے
اب آپ جنگلوں میں عبادت کیا کریں

احباب کے کرم کو جو رکھنا ہے برقرار
احباب سے نہ ذکرِ ضرورت کیا کریں

کب سے نہیں سنی تری پازیب کی کھنک
کب تک ہم انتظارِ قیامت کیا کریں

اللہ کی زمین پر جتنے بھی ہیں حسین
جی چاہتا ہے سب سے محبت کیا کریں

گر رہروان شوق کو توفیق ہو علیم
حاصل مرے کلام سے عبرت کیا کریں





غزل

کیوں تیرا ستم مجھ پہ بدستور نہیں ہے
منظورِ نظریہ مجھے منظور نہیں ہے

موسیٰ کی طرح میں تجھے سجدہ نہ کروں گا
تو برق ہے تو برق سرِ طور نہیں ہے

اب سامنے میرے ہے محاذ غم حالات
اب مجھ کو ترے غم کا بھی مقدور نہیں ہے

وعدہ شکنی پر میں اسے کچھ نہ کہوں گا
ہے کون جو حالات سے مجبور نہیں ہے

اس دور کے حق گو بڑے چالاک ہیں انمیں
تا عاقبت اندیشیِ منصور نہیں ہے

اعمال کی اجرت کے طلبگار ہیں کیوں لوگ
اللہ کا بندہ کوئی مزدور نہیں ہے

مظلوم کا انصاف قیامت میں تو ہوگا
ظاہر ہے قیامت بھی بہت دور نہیں ہے

غزل

منتظر ہم نہیں ان کے آنے کے ہیں
ہم تو شوقین شمعیں جلانے کے ہیں

ان کی بیزاریاں ہم سے پوچھے کوئی
یہ جو ماتھے پہ بل ہیں دکھانے کے ہیں

وہ زمانے کی نظروں میں جیسے بھی ہوں
میرے نزدیک بے حد ٹھکانے کے ہیں

اک تونگر نے چپکے سے مجھ سے کہا
ہم بھکاری اسی آستانے کے ہیں

ہم کو عادت کہانی سنانے کی ہے
وہ بھی قائل پہیلی بجھانے کے ہیں

ذوق ہنگامہ آرائی ہم کو بھی ہے
وہ بھی ماہر قیامت اٹھانے کے ہیں

جنبش تیغ ابرو ذرا دیکھئے
صاف آثار اب جان جانے کے ہیں

ان کو مشق تلون اگر ہے علیم
تجربے ہم کو بھی روٹھ جانے کے ہیں





غزل

کارگر نالۂ نیم شب ہوگیا
جب سے پینگیں بڑھیں فضل رب ہوگیا

بے تکلف وہ خود مجھ سے جب ہوگیا
میں بھی مجبورِ ترک ادب ہوگیا

میرے ہونٹوں پہ تالے پڑے رہ گئے
ساری دنیا کو معلوم سب ہوگیا

میرا اس کی وفاؤں پہ ایمان تھا
بے وفا وہ تو کچھ دن سے اب ہوگیا

اس کے سر پر اب آنچل ٹھہرتا نہیں
جس غضب کا تھا ڈر وہ غضب ہوگیا

یہ جوانی کا عالم یہ چشم کرم
یہ تغیر قیامت میں کب ہوگیا

عمر بھر جس نے ساقی کے چومے قدم
اب وہ لگتا ہے شیخ العرب ہوگیا

تم نے اس رات دیکھا تھا جو آئینہ
اب وہی آئنہ زخم شب ہوگیا

تیری منزل غزل تو نہیں اے علیم
دو گھڑی ذکرِ رخسار و لب ہوگیا





غزل

کیا جانے عنایت ہے پس پشت ستم کون
اس دور میں ہیں واقف احسان و کرم کون

روحوں کا تعلق تو سمجھتے ہی نہیں لوگ
ہر شخص کو یہ فکر ہے تم کون ہو ہم کون

کیا حق ہے بگڑنے کا انہیں بادہ کشی پر
لگتے ہیں یہ رشتے میں مرے شیخ حرم کون

کیوں تم کو محبت کی قسم میں ہے تکلف
تا زندگی رکھنا ہے تمہیں پاس قسم کون

تقدیر کے بارے میں ہمیں شکر سے ہے کام
کرنا ہے ہمیں تبصرہ لوح قلم کون

پھرتا ہے زمانہ مہ و مریخ کے پیچھے
چومے گا مرے بعد ترے نقش قدم کون

ناخوش ہیں علیم آپ سے سب عشق صنم پر
کوئی یہ بتادے کہ ہے خلاق صنم کون

غزل

اصولوں کے کاجل پگھلتے رہیں گے
ضرورت کے سورج نکلتے رہیں گے

ہوں بیساکھ کے دن کہ ساون کی راتیں
ہمیں صرف چلنا ہے چلتے رہیں گے

ہمیں منزلوں سے ہے کیا لینا دینا
ہمیں صرف چلنا ہے چلتے رہیں گے

سلامت رہے بادہ نوشی ہماری
اسی طرح ساغر بدلتے رہیں گے

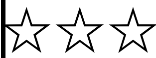
قیامت میں ہم ان کا پکڑیں گے دامن
اکیلے اکیلے جو چلتے رہیں گے

ارادے وہ جو کچھ بھی ہوں بجلیوں کے
درختوں میں پتے نکلتے رہیں گے

ہم انسان ہیں کوئی موسم نہیں ہیں
بھلا کس طرح ہم بدلتے رہیں گے

سبھی شہر میں یوں تو ہیں صاف باطن
بہرحال بدلے نکلتے رہیں گے

علیم آبلہ پائی سمجھیں گے کیا وہ
جو قالین پر صرف چلتے رہیں گے





غزل

سورج کی کیا عجیب نوازش ہے آج کل
مجھ پر بجائے دھوپ کے بارش ہے آج کل

دن رات تذکرے میری اچھائیوں کے ہیں
میرے خلاف کیا کوئی سازش ہے آج کل

کیوں میرے قتل میں یہ پس وپیش ہے تمہیں
دنیا میں کس گناہ کی پرشش ہے آج کل

میری سلامتی سے ہیں مایوس سارے لوگ
میری خدائے شہر سے رنجش ہے آج کل

ان گیسوؤں کے سائے میں چلنے کے واسطے
خود خوشبوؤں کی مجھ سے گذارش ہے آج کل

خطرے میں غالبًا ہے مری پھر سلامتی
پھر دوستوں کی مجھ پہ نوازش ہے آج کل

چہرے مری غزل میں ہیں احباب کے علیم
آئینہ مری طرزِ نگارش ہے آج کل

غزل

تو جس کی قید میں ہے میں اسی کی قید میں ہوں
پپیہے تیری طرح میں بھی پی کی قید میں ہوں

مجھے نہیں ہے خود اپنے جمال سے فرصت
میں اپنی ذات کی جلوہ گری کی قید میں ہوں

پیامِ حق میں صلیبوں کے بیچ دوں گا ضرور
میں اپنے دور کی پیغمبری کی قید میں ہوں

میں تاجدارِ بہاراں ضرور ہوں لیکن
میں خود گلاب کی اک پنکھڑی کی قید میں ہوں

جو بات کہتے ہو واعظ وہ بات سچ ہے مگر
میں کیا کروں میں گلابی پری کی قید میں ہوں

ستم میں مجھ کو نوازش دکھائی دیتی ہے
میں غالباً کسی بازیگری کی قید میں ہوں

مرے کلام میں بجتی ہے جلترنگ مگر
میں تیرے پیار کی سوکھی ندی کی قید میں ہوں

مرا طلسم غزل کام کر رہا ہے علیم
نہ میں ہوں شیام نہ میں بانسری کی قید میں ہوں





غزل

غمِ حیات ترے پیار کی تلاش میں ہے
اندھیرا مطلعِ انوار کی تلاش میں ہے

میں جس کے خنجرِ ابرو سے آس باندھے تھا
وہ میرے واسطے تلوار کی تلاش میں ہے

مسیحِ وقت کی تجویز میں ہے آبِ حیات
مریض شربتِ دیدار کی تلاش میں ہے

وہ پاؤں جس میں نہیں مدتوں سے اک گھنگرو
وہ پاؤں پھر کسی جھنکار کی تلاش میں ہے

متانتوں سے مرا ہو چکا ہے سمجھوتہ
وہ شوخ اب مری بیکار کی تلاش میں ہے

نگاہ یار میں اہل وفا کی قدر نہیں
وہ صرف ایک ادا کار کی تلاش میں ہے

جو میری بات پہ رخ مجھ سے پھیر لیتا تھا
وہ اب وصیلہ گفتار کی تلاش میں ہے

پڑے گا کون فرشتوں کے فلسفے میں میاں
گناہگار گنہگار کی تلاش میں ہے

ضرورتوں کو ہر اک شرط وقت ہے منظور
ضمیر عظمت کردار کی تلاش میں ہے

جو راز دل میں رہا ساری زندگی اے علیم
وہ راز اب کسی دیوار کی تلاش میں ہے





غزل

تمام خواب کسی دن بکھر بھی سکتے ہیں
جو زندگی پہ ہیں نازاں وہ مر بھی سکتے ہیں

نگاہ ناز میں حاصل ہے جن کو آج مقام
نگاہ ناز سے وہ کل اتر بھی سکتے ہیں

جو حشر آپ نے برپا کئے ہیں میرے لئے
وہ حشر آپ کے سر سے گذر بھی سکتے ہیں

ستم کے بارے میں کچھ بیش و کم کی شرط نہیں
ضرورتاً وہ حدوں سے گذر بھی سکتے ہیں

گھرے ہیں آگ میں جو لوگ ان پہ مت ہنسئے
جو جل رہے ہیں کسی دن نکھر بھی سکتے ہیں

علیم تذکرۂ زخم جاں کروں کس سے
وہ کچھ کریں گے نہیں کچھ جو کر بھی سکتے ہیں

غزل

سب کے سب باندھے ہیں کس طرح نشانے میرے
کب کے دشمن ہیں یہ احباب نہ جانے میرے

موڑ سارے تری گلیوں کے ہیں جانے میرے
کوچے کوچے ہیں ترے شہر کے چھانے میرے

ہوش گم کردیے گلشن کی ہوا نے میرے
لگ گئے جیب و گریباں بھی ٹھکانے میرے

آرزو سن کے لبِ ناز پہ بجلی چمکی
آگ کی زد میں ہیں اب خواب سہانے میرے

جس کے قدموں کو ہے فتنوں کو جگانے کا شعور
اس کی پازیب پہ لکھے ہیں ترانے میرے

بوجھ تو ڈال نہ اب اور کرم کا مجھ پر
دکھ رہے ہیں ترے احسان سے شانے میرے

پھول سے ہاتھوں نے پتھر جو چلائے تو لگا
جیسے بوسے لئے جنت کی ہوا نے میرے

واعظوں پہ نہ خبردار کوئی طنز کرے
نیک خواہوں میں ہیں یہ لوگ پرانے میرے

دیکھ سکتے ہو کسی وقت اگر تم چاہو
ہر کتب خانے میں رکھے ہیں زمانے میرے

یاد ہے آپ کی آنسو کی ہیں لڑیاں میری
آپ کا نام ہے تسبیح کے دانے میرے

فائدہ ہے مری شیریں سخنی میں یہ علیم
دکھ وہ سن لیتے ہیں غزلوں کے بہانے میرے





غزل

بگاڑ ڈالے ہیں جھنجھلا کے اپنے گیسو پھر
رواں ہیں اشک زباں ہے بغیر قابو پھر

میں چاہتا ہوں تری انگلیوں کی خوشبو پھر
جو ہو سکے تو مرے پاس آ مجھے چھو پھر

عجب نہیں ہے کہ چومیں اندھیری گلیوں میں
میرے بدن کو مرے دوستوں کے چاقو پھر

گھری ہوئی ہیں گھٹائیں مری تباہی کی
ٹپک رہے ہیں مرے غم میں اس کے آنسو پھر

سکوں کی نیند تو چھوڑو جہاں پلک جھپکی
لئے کھڑا ہے دوپٹے میں کوئی جگنو پھر

بکھر نہ جائیں کہیں سارے خواب وحشت کے
جنوں کے سر کے تلے ہیں خرد کے زانو پھر

ہے قتل عام کی خواہش تو مشورہ ہے مرا
اٹھا کے دیکھئے تاریخ تیغ ابرو پھر

ضرور کوئی نیا حشر اٹھنے والا ہے
ہمارے کانوں میں بجنے لگے ہیں گھنگرو پھر

ہمارے دم سے ہے رعنائی جمالِ غزل
علیم کون سنوارے گا زلف اردو پھر





غزل

اپنی پلکوں پہ یونہی اشک سجائے رکھنا
عمر بھر شہر ستاروں کے بسائے رکھنا

اس کی رفتار پہ تنقید تو سب کرتے ہیں
کوئی آسان ہے یوں حشر اٹھائے رکھنا

عمر پھولوں میں تو کٹ جائے گی آرام کے ساتھ
ذہن میں گیسوئے محبوب کے سائے رکھنا

دل جو پتھر ہے تمہارا تو میرے پیار کو تم
پھول سی اپنی ہتھیلی پہ سجائے رکھنا

مجھ کو معلوم ہے یہ زخم بھریں گے نہ کبھی
بند بھی کیجئے اب زخموں پہ پھائے رکھنا

دشمنی تم سے وہ کرتا ہے کرے لیکن تم
شاخ زیتون کی مٹھی میں دبائے رکھنا

اک نہ اک دن کوئی دروازے پہ دستک دے گا
کان دروازے پہ تا عمر لگائے رکھنا

عشق اصنام میں ویسے تو کوئی حرج نہیں
صرف اک شرط ہے ایمان بچائے رکھنا

غیر ممکن ہے کرم حسن کا ہو تم پہ علیم
آس بارش کی نہ سورج سے لگائے رکھنا





غزل

ہوا نے کر دی ادا جب نقاب کی قیمت
گرا دی مست نظر نے شراب کی قیمت

جناب شیخ تو ویسے ہیں باوقار مگر
ہمیں سمجھتے ہیں عزت مآب کی قیمت

تمہارے تلوؤں کو دیتا ہے آفتاب خراج
تمہارے سامنے کیا ماہتاب کی قیمت

چمن میں کون سا گل ہے جو بے نظیر نہیں
بڑھی ہے زلف میں سج کر گلاب کی قیمت

رخ حسیں کا جو ہدیہ ہو خود وہ بتلادے
کوئی لگائے نہ مقدس کتاب کی قیمت

بلا سے سر میرے کاندھوں پر اب رہے نہ رہے
ادا کروں گا میں تیرے عتاب کی قیمت

علیم یہ مرے الفاظ میرے سکے ہیں
مری غزل ہے مرے اضطراب کی قیمت

غزل

ہٹاؤ اس کے تغافل پہ کیا نظر رکھنا
ہمارا کام ہے یاد اس کو عمر بھر رکھنا

نظر جدھر بھی اٹھے دعوت نظر ہے ادھر
بہت محال ہے اب عظمت نظر رکھنا

جو آئے گا وہ لگاتا ہے پھول بالوں میں
گلاب اس کے لئے توڑ کر رکھنا

تمہاری یاد کا سورج ہے میری نظروں میں
میں جانتا ہوں شب غم کو جلوہ گر رکھنا

بھلا بتایئے کس کس کی میں خبر رکھوں
یہاں عذاب ہے خود اپنی ہی خبر رکھنا

یہ جان لو کہ میں جاکر کبھی نہ لوٹوں گا
مرے کلام کی نقلیں سنبھال کر رکھنا

وہ مشتہر نہ ہو ممتاز کی طرح اے علیم
تم اپنے تاج محل میں نہ کوئی در رکھنا

غزل

بھید اس میں ہر اک شخص کو لگتا ہے کوئی اور
زخمی ہے کوئی اور تڑپتا ہے کوئی اور

قاتل کو یہ شاید ابھی معلوم نہیں ہے
چہرے پہ مرے یار کے چہرا ہے کوئی اور

دونوں کے مزاجوں میں بہت ہی ہے بغاوت
پتھر ہے کوئی اور تو شیشہ ہے کوئی اور

یہ ساتھ تو ظاہر ہے بھلا کیسے چلے گا
شبنم ہے کوئی اور تو شعلہ ہے کوئی اور

میں اس کے کنائے کو سمجھتا نہیں جیسے
ایسا ہے کوئی اور نہ ویسا ہے کوئی اور

اس دور میں معراج پہ لیلائے غزل ہے
لکھتا ہے کوئی اور تو پڑھتا ہے کوئی اور

رہتا ہے علیم اپنی جگہ مجھ کو یہ احساس
دنیا میں تری طرح سے تنہا ہے کوئی اور

غزل

غیبتیں جب ہم نے کیں تب ذکر یار آہی گیا
لیکن اس حرکت سے کیا دل کو قرار آہی گیا

اس کی پکی ہر قسم ہر وعدہ اس کا معتبر
اس پہ شک اب کیا کریں جب اعتبار آہی گیا

کیسی یہ آہٹ ہوئی آخر یہ دستک کس نے دی
میرے دروازے پہ شاید میرا یار آہی گیا

اب تو ظاہر ہے ہمیں کوئی نہیں دنیا کا ڈر
بام رسوائی پہ اب تو میرا پیار آہی گیا

اس ستمگر نے جو پوچھا مسکرا کر میرا حال
انتقاماً میرے چہرے پر نکھار آہی گیا

رنگت عارض پہ تم اس طرح سے نازاں ہو کیوں
بر سبیل تذکرہ ذکر بہار آ ہی گیا

صحبت جاناں میں رہ کر فیض ہم کو بھی ملا
کچھ نہیں تو کم سے کم بوس و کنار آ ہی گیا

اب دم آخر کوئی آئے نہ آئے اے علیم
میرے دل کی دھڑکنوں کا ذمہ دار آ ہی گیا





غزل

گردش مئے کا اس پر نہ ہو گا اثر مست آنکھوں کا جادو جسے یاد ہے
وہ نسیم گلستاں سے بہلے گا کیا تیرے آنچل کی خوشبو جسے یاد ہے

تشنگی کی وہ شدت کو بھولے گا کیا دھوپ کی وہ تمازت کو بھولے گا کیا
تیری بے فیض آنکھیں جسے یاد ہیں تیرا بے سایہ گیسو جسے یاد ہے

کوئی ممتاز ہے اور نہ شاہ جہاں سوز اور ساز ہے کچھ الگ ہی یہاں
تاج محلوں کے وہ خواب دیکھے گا کیا سنگ مرمر کا زانو جسے یاد ہے

اسکو دکھ درد کوئی چھلے گا نہیں اس کی دنیا کا سورج ڈھلے گا نہیں
تیرے بچپن کی خوشیاں جسے یاد ہیں تیرے دامن کا جگنو جسے یاد ہے

اے علیم آفتوں کے یہ لشکر ہیں کیا ایک محشر نہیں لاکھ محشر ہیں کیا
اس کو فتنوں کی پرواہ بالکل نہیں ترا اک ایک گھنگرو جسے یاد ہے





غزل

غم رہے زندگی بے مزا بھی نہ ہو
دل دھڑکتا رہے حادثہ بھی نہ ہو

وہ اندھیرا ہے اب عمر کٹ جائے گی
گیسوؤں کا اگر سلسلہ بھی نہ ہو

آخر انگڑائیوں کی ضرورت ہے کیا
جب کہ مضبوط بند قبا بھی نہ ہو

اس کی مٹھی میں ہے نظم شام وسحر
اپنے آنچل کا جس کو پتہ بھی نہ ہو

بام پر ان کے آنے سے کیا فائدہ
شہر کے لب پہ جب مرحبا بھی نہ ہو

اپنی منزل پہ پہونچیں گے اہل یقیں
رہنما بھی نہ ہو قافلہ بھی نہ ہو

فہم رکھتے ہیں رخ کی کتابوں کا ہم
ترجمہ بھی نہ ہو حاشیہ بھی نہ ہو

جس کو دیکھو ہے اس کی انہی پر نظر
آدمی اس قدر دلربا بھی نہ ہو

دور ہوں کیا علیم اس کی خوش فہمیاں
جس کی محفل میں اک آئنہ بھی نہ ہو





غزل

دل کو سکون دیتی ہے اُس سنگِ در کی بات
چھوڑو اِدھر کی بات کو چھیڑو اُدھر کی بات

ہوتی ہے عام طور سے دردِ جگر کی بات
ہم دوسروں سے کہتے نہیں اپنے گھر کی بات

واعظ بیان کرتے رہے خیر و شر کی بات
پیروں تلک پہونچ گئی پھر کیسے سر کی بات

اُس آستاں کی خاک کے زرّے چلو دکھائیں
تم ہم سے لے کے بیٹھے ہو شمس و قمر کی بات

کوئی کسی کو چاہے ہمیں کون اعتراض
یہ تو ہے اپنے اپنے شعورِ نظر کی بات

جو سنگدل ہیں انکو مرا دور سے سلام
پتھر سمجھ نہ پائے کبھی سیشہ گر کی بات

ہم نے غزل جو خونِ جگر سے لکھی علیم
کچھ لوگ سوچنے لگے عیب و ہنر کی بات

غزل

اب تو میں اس کے پیار کے سانچے میں ڈھل گیا
اب تو مری انا کا جنازہ نکل گیا

ہجرت کریں نہ اہل محبت تو کیا کریں
اب تو تمہارے شہر کا موسم بدل گیا

اس میں کسی کی پاک نگاہی کی کیا خطا
اک تیر تھا بغیر چلائے جو چل گیا

آنسو بہا رہا تھا میں ظلمت کی چھاؤں میں
سورج مرے قریب سے ہو کر نکل گیا

اس سنگ دل سے جب بھی نگاہیں مری ملیں
میں موم کی طرح سے ہمیشہ پگھل گیا

جب حد سے میری شان سلامت روی بڑھی
اک پھول آکے پاؤں کے نیچے کچل گیا

انگارے مٹھیوں میں لئے گھومتے ہیں لوگ
بدقسمتی سے پھول کو چھوکر میں جل گیا

میری انا کا بت بھی گیا ٹوٹ اے علیم
اب اس کے بھی غرور کا پتھر پگھل گیا





غزل

اب ختم ہراک سلسلۂ نازو ادا ہے
اللہ کا احسان ہے وہ مجھ سے خفا ہے

میں سنگ دلی پر اسے کچھ بھی نہ کہوں گا
کچھ بھی ہو مرا نام تو پتھر پہ لکھا ہے

بالیں پہ وہ ہیں یہ بھی تو احسانِ خدا ہے
آنچل کی ہوا میں بھی تو جنت کی ہوا ہے

کچھ مجھ سے بھی کہلواؤ نہ اب تم سرِ محفل
جو دل میں تمہارے ہے وہی میری رضا ہے

زخموں پہ نمک اس کو چھڑکنے سے نہ روکو
قسمت میں شفاء ہو تو نمک میں بھی شفاء ہے

مشکوک علیم آج ہیں اس کی بھی نگاہیں
جس کو مرے کردار کی عظمت کا پتہ ہے

غزل

جور و ستم کے ساتھ لبوں پر ہنسی رہی
دوزخ میں بھی بہشت کی کھڑکی کھلی رہی

اس نے تو نرخ جلوۂ رخ کا گرادیا
لیکن میری نگاہ کی قیمت چڑھی رہی

کس منہ سے اس کو وعدہ شکن میں قرار دوں
میری بھی بار بار قسم ٹوٹتی رہی

وہ پاس بھی رہے تو وہی تشنگی رہی
برسات کے دنوں میں بھی سوکھی ندی رہی

ویسے دعائے امن میں میں بھی رہا شریک
لیکن قیامتوں سے مری دوستی رہی

گم ہوگئے وہ جا کے پرائے دیار میں
میری غزل بیاض کے اندر لکھی رہی

رشتے تو ٹوٹ پھوٹ گئے پیار کے مگر
یادوں کی ڈور جیسی بندھی تھی بندھی رہی

دنیائے شوق میری جہنم رہی علیم
جنت مرے قریب کھڑی دیکھتی رہی

غزل

جو مہک تھی گیسوؤں میں وہ مہک چلی گئی ہے
جو چمک تھی عارضوں میں وہ چمک چلی گئی ہے

اسے رقص کی تو عادت ہے اسی طرح سے لیکن
جو کھنک تھی گھنگھروؤں میں وہ کھنک چلی گئی ہے

وہ نزاکتیں بدن کی تو اسی طرح ہیں لیکن
جو لچک تھی شاخِ گل میں وہ لچک چلی گئی ہے

نہ جلیں گے اب پتنگے نہ مریں گے اب پتنگے
وہ جو شمع کی لپک تھی وہ لپک چلی گئی ہے

جو ہنسی ہے اس کے لب پر اسے کیا ہنسی کہیں ہم
وہ جو سات رنگ کی تھی وہ دھنک چلی گئی ہے

وہ جواب مجھ کو دیتے ہیں ملاملا کے آنکھیں
جو جھجک تھی گفتگو میں وہ جھجک چلی گئی ہے

اے علیم اس سے اب تک ہیں تعلقات پھر بھی
وہ کھٹک جو دل میں تھی کیا وہ کھٹک چلی گئی ہے

غزل

مر جو سکتے تھے اک پیار کے پھول سے
وار ہوتے ہیں اب ان پہ ترشول سے

کوئی قاتل سے کچھ پوچھتا ہی نہیں
سب سوالات کرتے ہیں مقتول سے

آنے والی ہے کیا اب چمن میں خزاں
تتلیاں منھ چراتی ہیں کیوں پھول سے

کم نہیں ہیں شبِ غم کی لمبائیاں
شرط باندھیں گے ہم زلف کے طول سے

کونسی شے سے تشبیہ دوں آپ کو
چاند سے جام سے شمع سے پھول سے

میکشی پر مری سخت ناراض تھے
ایک واعظ وہ کیا ہیں جو مجہول سے

پیار کی بھول مجھ سے اگر ہوگئی
فائدہ مت اٹھاؤ مری بھول سے

کیسے نادان ہو مانگ بھرتے ہو تم
بھاگتے وقت کے پاؤں کی دھول سے

شرم سے جھک گئیں اس کی آنکھیں علیم
پڑھ دیئے شعر تم نے جو معقول سے





غزل

شامِ غم سے ہم تعلق اپنا کم کرتے نہیں
دوستی چڑھتے ہوئے سورج سے ہم کرتے نہیں

ہو خوشی تب بھی خوشی محسوس ہم کرتے نہیں
غمزدہ رہتے ہیں ہم جب تک کہ غم کرتے نہیں

ہم اسیرِ زلفِ پیماں ہیں ہمارا ہے اصول
زندگی ہم تو بسر بے پیچ وخم کرتے نہیں

ان کو وعدے پر کریں ہم کیسے مجبورِ قسم
ہم بذاتِ خود ہی جب پاسِ قسم کرتے نہیں

غیر ممکن ہے کہ ہر تیرِ ستم ہو کامیاب
آج کل اہل ستم مشقِ ستم کرتے نہیں

شغلِ صہبائے محبت سب کی قسمت میں کہاں
ہم تو وہ کرتے ہیں جو شیخِ حرم کرتے نہیں

اپنے اپنے پاس رکھیں لوگ تر دامانیاں
ہم مجاہد ہیں ہم آنکھیں اپنی نم کرتے نہیں

وارداتِ قلب ہو یا وارداتِ زندگی
ہم بہ اندازِ غزل کیا کیا رقم کرتے نہیں

کاتبِ تقدیر نے جو لکھ دیا سو لکھ دیا
نیک بندے شکوہ لوح و قلم کرتے نہیں

جان دیدیتے ہیں وہ راہِ صنم میں اے علیم
عمر بھر جو سجدۂ پائے صنم کرتے نہیں





غزل

جو انجمن میں بشکلِ گلاب رہتا ہے
وہ گھر میں بن کے مسلسل عذاب رہتا ہے

جبینِ ناز شرابور ہے پسینے سے
اک آئینہ ہے کہ جو زیرِ آب رہتا ہے

عجیب شخص ہے اک میرے ملنے والوں میں
جو جان بوجھ کے خانہ خراب رہتا ہے

ہمارے دوست کے سینے میں دل نہیں شاید
جو انگلیوں پہ ہمارا حساب رہتا ہے

بہت خراب مشاغل ہیں رات میں جس کے
وہ دن نکلنے پہ عزت مآب رہتا ہے

جو خاص طور سے اپنی حیا میں تھا مشہور
وہ عام طور سے اب بے حجاب رہتا ہے

ہم اس کے گیسوئے پیچاں پہ کیا کریں تنقید
ہمیں خود اپنی جگہ پیچ وتاب رہتا ہے

جہادِ عشق میں میرا مشاہدہ ہے یہی
جو ہار جائے وہی کامیاب رہتا ہے

تمام عمر محبت میں کاٹ دو اے علیم
یہی عمل ہے کہ جو مستجاب رہتا ہے





غزل

اب تو کچھ اور ہیں حالات بڑی مشکل ہے
مجھ سے تم چاہو جو وہ بات بڑی مشکل ہے

اب تو رہتا ہے مرے گرد فرائیض کا ہجوم
کیسے ہو تجھ سے ملاقات بڑی مشکل ہے

ایک فہرستِ شکایات ہے میرے آگے
دور ہوں تیری شکایات بڑی مشکل ہے

کون دے سکتا ہے اس شوخ کی باتوں کا جواب
کتنے الٹے ہیں سوالات بڑی مشکل ہے

ایک دن تھا کہ حجابات کھٹکتے تھے مجھے
اٹھ گئے اب جو حجابات بڑی مشکل ہے

قربتِ یار نہ مہتاب نہ ساغر نہ چراغ
موت آئے تجھے اے رات بڑی مشکل ہے

اسکے چہرے کا صحیفہ مرے آگے ہے مگر
کسقدر سخت ہیں آیات بڑی مشکل ہے

رازداری کے غلافوں میں نہاں تھی جو بات
سب کے ہوٹوں پہ ہے وہ بات بڑی مشکل ہے

دل سے نکلی جو دعا وہ بھی رہی نا مقبول
یہ تو اے قاضیِ حاجات بڑی مشکل ہے

میرے سجدوں پہ خدایا نہ لگا شرتِ خلوص
زیرِ مسجد ہے خرابات بڑی مشکل ہے

رائیگاں اسکے تبسم کی ہیں دھوپیں اے علیم
میری قسمت میں ہے برسات بڑی مشکل ہے

آخری غزل

(بزمِ عزیز کے مشاعرے میں ۱۰؍مارچ ۲۰۱۲ء کو مرشدی ہال بارہ بنکی میں پڑھی گئی)

یا تو پرانی غزلیں مری بھول جایئے — یا میری عمرِ رفتہ کو اک دن بلایئے
جن پر بغیر ناغہ ستم روز ڈھایئے — ان کو کبھی کبھی تو گلے سے لگایئے
تیرِ نظر کے صرف نہ قصّے سنائیے — ہمت اگر پڑے تو نشانے پہ آیئے
پیچیدہ لفظ لفظ کو ایسا بنایئے — میری طرح کسی کی سمجھ میں نہ آیئے
اہلِ وفا کی آپ کو پہچان ہی نہیں — اب جایئے ہواؤں میں گرہیں لگایئے
قسموں کو توڑ دینا بہت سخت ہے گناہ — میری قسم ہے آپ کو قسمیں نہ کھایئے
کہنے میں دل کی بات پس وپیش ہے اگر — چھوٹی سی کوئی مجھ کو پہیلی بجھایئے
لازم ہے بے رخی میں روایات کا لحاظ — جیسے ستایا جاتا ہے ویسے ستایئے

جو جاچکا ہے اب نہ کبھی آئے گا علیم
اب آپ انتظار کی شمعیں بجھایئے







Email: akhtar.jamal.usmani@gmail.com